حقیقی تعلیماتِ اسلامیہ امامیہ کا بے باک ترجمان

ماہنامہ

دقائقِ اسلام

جلد ۱۸ جولائی ۲۰۱۴ء شمارہ ۷

فہرست مضامین

زیر سرپرستی

مرجع شیعیانِ جہان مُفسّرِ قرآن

آیتُ اللہ علامہ محمد حسین النجفی مدظلہ العالی

مؤسّس

جامعہ علمیہ سُلطان المدارس الاسلامیہ

زاهد کالونی عقب جوہر کالونی سرگودھا

مُدیرِ اعلیٰ: ملک مُمتاز حسین اعوان

مُدیر: گلزار حسین محمدی

پبلشر: ملک مُمتاز حسین اعوان

مطبع: انصار پریس بلاک ۱۰

مقامِ اشاعت: جامعہ علمیہ سُلطان المدارس سرگودھا

کمپوزنگ: الخطّاط کمپیوٹرز 0307-6719282

فون: 048-3021536

زرِ تعاون 400 روپے

لائف ممبر 5000 روپے

اداریہ

ماہِ صیام اور ہماری ذمہ داریاں

روزہ ایک عظیم عبادت اور دین کے ستونوں میں مرکزی حیثیت کا حامل ہے۔ جن پر اس کی پوری عمارت مضبوطی کے ساتھ کھڑی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ روزہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر ایک بہت ہی عظیم الشان انعام ہے اور اس نعمت کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے۔ اللہ کے اس انعام کا ایک پہلو ایسا ہے جو اسے عبادات اور احکام الٰہی میں منفرد بنا دیتا ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ وہ عمل ہے جس کا گواہ صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ نماز افضل ترین عبادت ہے مگر دوسروں کی نظر سے اوجھل نہیں ہوسکتی، حج پوری امتِ مُسلمہ کا ایک اجتماع ہے، اسی طرح زکوٰۃ بھی اگر مکمل اخفاء کے ساتھ ادا کی جائے تب بھی زکوٰۃ وصول کرنے والا تو اس راز میں شامل ہو جاتا ہے۔ مگر روزہ ایسی عبادت ہے جس کا گواہ صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ روزہ صرف اللہ کے لیے ہے اور وہی اس کا گواہ ہے۔ اس طرح بندے کے رب سے تعلق کا یہ پہلو روزے کی امتیازی شان ہے۔ اس انعام سے فائدہ اٹھانے کے لیے ضروری ہے کہ روزے کی حقیقت کو ٹھیک ٹھیک سمجھا جائے۔ محض روایۃً نہیں بلکہ پورے شعور کے ساتھ اس کے مقاصد اور آداب کے پورے ادراک اور اہتمام کے ساتھ روزہ رکھا جائے۔ نیز ماہِ صیام میں حاصل کی جانے والی تربیت کی روشنی میں سال کے باقی ایام گزارے جائیں۔ رسولِ پاک ﷺ کی آمد کا مقصد احکام الٰہی کی پابندی ہے اور اصلاحِ آدمیت، انسانی مساوات، احترام انسانیت ہے...... پھر جب یہ بات واضح ہو جائے تو استقبالِ رمضان کا اپنے قول و فعل سے اسلامی نظریہ حیات کو عام کر کے اور ان طریقوں پر عمل کر کے جو ہم پر لازم ہیں، استقبال کریں۔

حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت ہے کہ شعبان کی آخری تاریخ نبی کریم ﷺ نے خطبہ دیا، جس میں فرمایا: لوگو! ایک بڑی عظمت والا، بڑی برکت والا مہینہ قریب آ گیا ہے، وہ ایسا مہینہ ہے جس کی ایک رات ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے۔ یہ مہینہ غریب اور حاجت مندوں کے ساتھ مالی ہمدردی کا مہینہ ہے...... پس یہ وہ عبادات ہیں جن کو اختیار کرنا ہر مُسلمان کے لیے لازم ہے۔

پاکستان کے منافع خور اور ذخیرہ اندوز تاجران سے گزارش ہے کہ اشیائے خورونوش اہل پاکستان کو مناسب ریٹ پر بہم پہنچانے کے انتظامات کیے جائیں اور مہنگائی اور ناجائز منافع خوری سے اجتناب کیا جائے۔ رمضان المبارک کی آمد سے پہلے ہی اشیائے ضروریہ کی قیمتیں آسمان سے باتیں کرنے لگ جاتی ہیں۔ حکومت کو چاہیے کہ عوام تک اشیائے خورونوش مناسب داموں پہنچانے کے انتظامات کیے جائیں...... اہلِ ثروت خیرات وصدقات کے ذریعے حاجت مندوں کی مدد کریں۔

علمائے کرام ماہِ صیام میں خصوصی طور پر اتحادِ امتِ مُسلمہ کے لیے جدوجہد فرمائیں تاکہ امت کا بکھرا ہوا شیرازہ اتحاد کی لڑی میں پرویا جاسکے۔ آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل اسلام کو مل جل کر امن سے رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

بجاہ النبی وآلہ الطاہرین المعصومین

باب العقائد

عقیدہ غلو باطل و عاطل ہے

تحریر: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی موسس و پرنسپل جامعہ سلطان المدارس سرگودھا

غلو کا مطلب یہ ہے کہ کسی ہستی کو اس کے مرتبہ و مقام سے بڑھایا جائے۔ اسلام چونکہ دین فطرت اور دین حکمت و معرفت ہے، وہ کسی ہستی کو اس کے مرتبہ و مقام سے نہ کسی طرح بڑھانے کی اجازت دیتا ہے اور نہ گھٹانے کی، بلکہ حفظِ مراتب کی تلقین کرتا ہے۔ ع

گر حفظِ مراتب نہ کنی زندیقی

اسلام نے اپنے ابتدائی کلمہ میں ہی حفظ مراتب کا درس دیا ہے: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ عَلِيٌّ وَّلِيُّ اللهِ اللہ معبود ہے، محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) رسول ہیں اور علیؑ اللہ کے ولی ہیں۔ مگر غلو پسند طبائع نے کچھ اس طرح خلط ملط اور دھاندلی کی ہے جو سب کو آپس میں اس طرح گڈمڈ کر دیا ہے کہ اب نوبت بایں جا رسید کہ بعض سادہ لوح لوگوں کو یہ تک معلوم نہیں کہ شانِ خدا کیا ہے اور مقام مصطفیؐ و مرتضیٰؑ کیا ہے؟ اور ان میں باہمی فرق کیا ہے؟ ع

ببیں تفاوت راہ از کجا است تا بکجا

اور پھر عذر یہ پیش کیا جاتا ہے کہ ان ذواتِ مقدسہ کے حق میں جو کچھ کہا جائے وہ کم ہے، یہاں غلو ممکن ہی نہیں ہے۔ بقول شاعر:

گویند غالیم بہ ثنائے تو یا علیؑ
حق اینکہ من ز حق ثنائے تو قاصرم

کبھی ان غلو نواز حضرات نے یہ سوچنے کی زحمت گوارا فرمائی ہے کہ اگر غلو ممکن ہی نہیں تھا تو خدا و مصطفیٰؐ اور خود ائمہ ہدیٰ نے غلو سے روکا کیوں ہے؟ اور ایسا کرنے والوں پر کیوں لعنت بھیجی ہے۔

خدا فرماتا ہے:

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ

اے اہل کتاب دین میں غلو نہ کرو۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

لا ترفعونی فوق محلی

مجھے میرے مرتبہ و مقام سے بلند نہ کرنا۔

سابع بحار الانوار

جناب امیر علیہ السلام فرماتے ہیں:

هلك فی اثنان محب غال و مبغض قال

کہ میرے متعلق دو قسم کے لوگ ہلاک و برباد ہو جائیں گے۔ ایک مجھے میرے مقام سے بڑھانے والا (نادان) دوست، دوسرا مجھے میرے مقام سے گھٹانے والا (احمق) دشمن۔ (نہج البلاغہ)

نیز اگر غلو ناممکن ہے تو پھر تو امام کو نبی اور نبی کو خدا کہنا بھی جائز ہوگا؟

ساجد کو مسجود اور عابد کو معبود اور مخلوق کو خالق اور

باقی صفحہ ۱۴ پر

باب الاعتصال

تقلید فطری چیز ہے

تحریر: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی موسس وپرنسپل جامعہ سلطان المدارس سرگودھا

بعض لوگ تقلید کے نام سے بدک جاتے ہیں ان کے اضافہ معلومات کی خاطر واضح کیا جاتا ہے کہ تقلید نہ کوئی پیری مریدی ہے نہ کوئی بیعت اور نہ ہی مجتہد و مقلّد کا رشتہ نبی و امت یا امام و ماموم والا ہے بلکہ وہ صرف ایک فطری تقاضے کی تکمیل ہے اس اجمال کی بقدرِ ضرورت تفصیل یہ ہے کہ خدائے رحمان نے حضرت انسان کو مدنی الطبع پیدا کیا ہے۔ یعنی کوئی بھی شخص تن تنہا اپنے تمام امورِ معاش و معاد کو انجام نہیں دے سکتا بلکہ وہ زندگی کے ہر ہر شعبہ میں اپنے بنی نوع انسان کے تعاون کا محتاج ہے مثلاً جو شخص خود طبیب یا ڈاکٹر نہیں تو وہ علاج کے لئے کسی ڈاکٹر کی طرف، جو خود وکیل نہیں وہ مقدمہ کے لئے کسی وکیل کی طرف اور جو معمار نہیں وہ مکان تعمیر کرنے کے لئے کسی معمار کی طرف رجوع کرتا ہے۔ وعلیٰ ھذا القیاس

روزمرہ کا مشاہدہ شاہد ہے کہ ہر شخص جو چیز خود نہیں جانتا وہ اس سلسلہ میں اس کے جاننے والوں کی طرف رجوع کرتا ہے بعینہٖ یہی کیفیت دینی عبادات و معاملات کی ہے چونکہ شریعت کے اوامر و نواہی پر عمل کرنا واجب ہے اور عمل کرنے کے لئے پہلے علم حاصل کرنا ضروری ہے لہٰذا جو شخص خود براہ راست قرآن و حدیث سے علم حاصل نہیں کر سکتا۔ یعنی مجتہد نہیں ہے اس پر لازم ہو گا کہ (بطور مقدمہ واجب) یا بموجب "فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون" مجتہد جامع الشرائط کی تقلید کرے یا اس طرح احتیاط پر عمل کرے کہ برات ذمہ کا یقین ہو جائے۔

احتیاط کی وضاحت

مثلاً ایک عمل کے متعلق فقہاء میں اختلاف ہے بعض اسے واجب قرار دیتے ہیں اور بعض مستحب تو آدمی اسے ضرور بجا لائے۔ اسی طرح بعض علماء ایک فعل کو حرام قرار دیتے ہیں اور بعض صرف اسے مکروہ جانتے ہیں تو وہ اسے ہر گز نہ بجا لائے یا ایک فعل پر بعض علماء نماز قصر کا حکم دیتے ہیں اور بعض تمام کا تو یہ قصر و تمام ہر دو کو جمع کرے تاکہ اسے اپنے شرعی وظیفہ کی انجام دہی کا علم و یقین حاصل ہو جائے۔

تقلید ناگزیر ہے

اس بیان سے یہ بات واضح وعیاں ہو جاتی ہے کہ اس سلسلہ میں اصولیوں و اخباریوں کی نزاع (دیگر اکثر مسائل کی طرح) محض نزاع لفظی پر مبنی ہے نام خواہ مجتہد و مقلّد رکھا جائے یا عالم و متعلّم یا مبصر و مستبصر، یا فقیہ و

مُتفقہ اس سے اصل حقیقت پر کوئی اثر نہیں پڑتا کہ غیر عالم کو عالم کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ اور جہاں تک لفظ اجتہاد کے نام سے نفرت کا تعلق ہے تو یہ بے جا ہے کیونکہ مقدمہ کتاب میں واضح کر دیا گیا ہے کہ ہمارے اور دوسری اسلامی برادری کے اجتہاد میں یہ بنیادی فرق ہے کہ ہمارا اجتہاد صرف قرآن اور سرکار محمدؐ و آل محمد علیہم کے فرمان کے مرکز ومحور کے اردگرد گھومتا ہے جبکہ دوسروں کے اجتہاد میں اجماع، قیاس، استحسان، مصالح مرسلہ وغیرہ جائز الاعتماد ہیں۔ جس اجتہاد وتقلید کی بعض اخبار سے مذمت مترشح ہوتی ہے تو اس سے یہی دوسری قسم کا اجتہاد وتقلید مراد ہے جو ائمہ اطہارؑ کے دور میں مخالفین میں رائج تھا۔ فلا تغفل

مرجع تقلید کے شرائط کیا ہیں؟

باقی رہی اس بات کی تحقیق کہ مرجع تقلید میں کن شرائط کا ہونا ضروری ہے؟ سو واضح ہو کہ کچھ خدا کے کلام اور سرکار محمدؐ و آلِ محمد علیہم کے فرمان سے واضح وعیاں ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ مرجع تقلید میں چند شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔

① فقاہت واجتہاد۔ یعنی پیش آمدہ مسائل کو ان کے مدارک و ماخذ (قرآن و حدیث) سے اِستنباط کرنے کی پوری اہلیت ولیاقت رکھتا ہو۔

② صحت اعتقاد یعنی صحیح اثنا عشری عقائد کا حامل ہو۔

③ امور قبیحہ سے اپنے نفس کی حفاظت کرنے والا ہو۔

④ ان چیزوں سے اپنے دین کو بچانے والا ہو جو انسان کو بے دین بنا دیتی ہیں۔

⑤ ہوا و ہوس نفس امارہ کی مخالفت کرنے والا ہو۔

⑥ اپنے مولا و آقا خداوند عالم اور اس کے ساتھ ساتھ رسول خدا ﷺ اور ائمہ ہدیٰؑ کا مُطیع وفرمانبردار ہو۔

انہی آخری چار مذکورہ بالا شرائط کے مجموعہ کا نام "شرعی عدالت" ہے یعنی اس کے اندر ایک ایسا ملکہ ہو جس کی وجہ سے وہ (جان بوجھ کر) واجبات کو ترک نہ کرے اور محرمات کا ارتکاب نہ کرے۔ الغرض وہ گناہان کبیرہ کا ارتکاب اور گناہان صغیرہ پر اصرار نہ کرے اور اگر کبھی بتقاضائے بشریت ایسا ہو جائے تو فوراً توبۃ النصوح کر لے۔ مخفی نہ رہے کہ یہ تمام شرائط امام حسن عسکری علیہ السلام سے منقول شدہ حدیث شریف کے اندر بالتفصیل مذکور ہیں فرماتے ہیں۔

اما من کان من الفقہاء صائناً لنفسہ، حافظاً لدینہ مخالفاً لھواہ، مطیعاً لامر مولاہ فللعوام ان یقلدوہ

یعنی فقہاء میں سے جو شخص اپنے نفس کو بچانے والا، اپنے دین کی حفاظت کرنے والا، اپنی خواہشات کی مخالفت کرنے والا اور اپنے مولا کے حکم کی اطاعت کرنے والا ہو۔ عوام کے لئے اس کی تقلید کرنا جائز ہے۔ (احتجاج طبرسی وغیرہ) ایسے ہی شخص کو "مُجتہد جامع الشرائط" کہا جاتا ہے۔

وذالك لا یکون الا بعض فقہاء الشیعۃ لا کلھم کما لا یخفی

لمحہ فکریہ راجع بہ تقلید اعلم

قارئین کرام نے بچشم خود شرائط فقہائے مفصل حدیث ملاحظہ کر لی ہے اس میں کہیں بھی اعلم یا اخبر کا لفظ

موجود نہیں ہے۔ (اور اسی پر کیا مُنحصر ہے اجتہاد وتقلید کے سلسلہ میں واردشدہ کسی بھی روایت میں یہ لفظ موجود نہیں ہے) ہاں البتہ قضاوت کے باب میں وارد شدہ ایک حدیث مقبولہ عمر بن حنظلہ میں یہ لفظ ضرور وارد ہے۔ مگر اس کا محل اور ہے۔ وہ فصل خُصومت اور قطع نزاع کے مقام پر وارد ہے، جس کا ہمارے محل نزاع سے کوئی تعلّق نہیں ہے۔ کس قدر تعجب کا مقام ہے کہ جس چیز کا قرآن وحدیث میں کہیں نام ونشان بھی نہیں ہے، اس کے مُتعلّقہ مباحث سے تو موجودہ فقہی کتب چھلک رہی ہیں کہ اعلم کسے کہتے ہیں؟ اعلم کون ہے؟ اعلم کی تقلید واجب ہے؟ اعلم کی پہچان کیا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ مگر جن شرائط کی احادیث میں صراحت موجود ہے ان کا نام بھی ڈھونڈنے سے کہیں نہیں مل سکتا، انقلابات ہیں زمانہ کے!...... حالانکہ نقل سے قطع نظر کر کے اگر چند منٹ صرف عقل سے بھی سوچا جائے تو یہ بات کھُل کر سامنے آجاتی ہے کہ جس طرح شرعاً اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اسی طرح عقلاً بھی اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے کیونکہ اگر خدا تعالیٰ یہ حکم دیتا تو یہ تکلیف مالا یطاق (طاقت برداشت سے زائد تکلیف) ہوتی۔ حالانکہ خدائے حکیم کسی کو طاقت برداشت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا (لایکلف اللہ نفسا الاوسعھا) کیونکہ اعلم فی العالم (پوری کائنات کے علماء میں سے سب سے بڑے عالم) کی تشخیص وتعیین عادۃً محال ہے (جسے نبی وامام کا مُعجزہ ہی بروئے کار لاسکتا ہے) کوئی مائی کا لعل ہے جو پہلے تمام کائنات کے تمام علماء کی تعداد معلوم کرے اور

پھر ہر ہر علم وفن میں ان کے مرتبہ ومقام کا جائزہ لے......اور پھر یہ فیصلہ کرے کہ فلاں شخص اعلم فی العالم ہے۔

اب انصاف قارئین کرام فرمائیں کہ کیا ایسا کرنے والا شخص خود اعلم العُلماء نہیں ہوگا؟ ہمیشہ محقق علماء اعلام نے اس مسئلہ کو ناقابل عمل قرار دیا ہے چنانچہ عالم ربانی حضرت شیخ زین العابدین مازندرانی اپنے مفصل رسالہ عملیہ ذخیرۃ العباد صفحہ ٢٠ طبع لکھنو پر لکھتے ہیں: ولکن انصاف این است که غالباً تشخیص اعلم ممکن نیست بجهت اینکه الخ۔ یعنی "انصاف یہ ہے کہ غالباً اعلم کی تشخیص ممکن نہیں ہے"۔ پس معلوم ہوا کہ عقل اس سے زیادہ کوئی فیصلہ نہیں کرتی کہ جس شُعبہ حیات کے ماہرین کی طرف رجوع کرنا ہو اور وہ مُتعدّد ہوں تو گردوپیش کے ماہرین میں سے جو زیادہ ماہر ہو اس کی طرف رجوع کرنا افضل ومستحسن ہے بشرطیکہ کوئی مانع موجود نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ بالعموم علاقہ بھر کے سب سے زیادہ ماہر ڈاکٹر اور وکیل وغیرہ کی طرف رجوع کیا جاتا ہے مگر عقل یہ فیصلہ تو ہرگز نہیں کرتی کہ اگر علاج کرانا ہو تو پہلے یہ دیکھو کہ ساری کائنات میں سب سے بڑا ڈاکٹر کون ہے؟ اور جب یہ معلوم ہوجائے تو پھر اس کی طرف رجوع کرو۔ (خواہ اس سے پہلے مریض مرحوم ہی ہوجائے) اور نہ یہ کہ سب سے بڑے ماہر ڈاکٹر کے علاوہ کسی اور ڈاکٹر کی طرف رجوع کرنا ناجائز ہے! عقل سلیم کے اس فیصلہ سے ہمیں بھی اباوانکار نہیں ہے کہ دین کے معاملہ میں رجوع کرنے والے شخص کے

باقی صفحہ ٩ پر

باب التفسیر

اسلام میں سلام و جواب اور اس کے احکام

تحریر: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی
موسس و پرنسپل جامعہ سلطان المدارس سرگودھا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

وَاِذَا حُیِّیۡتُمۡ بِتَحِیَّۃٍ فَحَیُّوۡا بِاَحۡسَنَ مِنۡہَاۤ اَوۡ رُدُّوۡہَا ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ حَسِیۡبًا ○ اَللّٰہُ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ؕ لَیَجۡمَعَنَّکُمۡ اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ لَا رَیۡبَ فِیۡہِ ؕ وَمَنۡ اَصۡدَقُ مِنَ اللّٰہِ حَدِیۡثًا ○

(سورۃ النساء)

ترجمۃ الآیات

اور جب تمھیں سلام کیا جائے یا کوئی تحفہ پیش کیا جائے تو اس سے بہتر طریقہ پر جواب دو۔ یا کم از کم اسی کو لوٹا دو۔ بے شک اللہ ہر چیز کا محاسبہ کرنے والا ہے۔

اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی الہ نہیں ہے۔ وہ ضرور تمھیں قیامت کے دن اکٹھا کرے گا۔ جس میں کوئی شک نہیں اور اللہ سے بڑھ کر کون بات میں سچا ہے؟

تفسیر الآیات

واذا حییتم بتحیۃ ...... الآیۃ......

تحیہ کے لغوی معنی تو کسی کو درازی عمر کی دعا دینے کے ہیں اور یہاں اس سے بالاتفاق اسلامی سلام مراد ہے جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبوب سنت ہے اور مسلمانوں کا خاص شعار ہے۔ بالعموم سلام کے دو صیغے مروج ہیں: سلام علیکم ، السلام علیکم

مخفی نہ رہے کہ اسلام میں سلام کرنا سنت ہے۔ مگر اس کا جواب دینا واجب کفائی ہے۔ جیسا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے، فرمایا: السلام طوع والرد فرض (اصول کافی)

سلام کرنا سنت ہے اور جواب دینا فرض ہے کہ اگر چند آدمیوں میں سے کوئی ایک شخص جواب دے دے باقیوں سے وجوب ساقط ہو جائے گا۔ اور اگر کوئی بھی جواب نہیں دے گا تو پھر سب گنہگار ہوں گے۔ اور ردوھا اس میں کچھ الفاظ کا اضافہ کیا جائے۔ جن سے مہر و محبت اور احترام مترشح ہوتا ہے۔ جیسے سلام علیکم کہہ کر سلام کرنے والے کو جواب میں یوں کہا جائے و علیکم السلام و رحمۃ اللہ اور اگر سلام کرنے والے نے کہا ہو: السلام علیکم و رحمۃ اللہ تو اس کے جواب میں یوں کہا جائے: و علیکم السلام و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ چنانچہ حسن بن منذر بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا کہ فرما رہے تھے کہ جو شخص سلام میں صرف یہ کہے: السلام علیکم اسے دس نیکیاں ملتی ہیں اور جو کہے: السلام علیکم و رحمۃ اللہ اسے بیس نیکیاں ملتی ہیں اور جو کہے السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ اسے تیس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے۔ (اصول کافی)

حسن بن ریاب حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں، فرمایا: "ان من تمام التحیة للمقیم المصافحة و تمام التسلیم علی المسافر المعانقة"۔ حاضر کا سلام تب مکمل ہوتا ہے جب اس سے مصافحہ کیا جائے اور مسافر کا سلام تب مکمل ہوتا ہے جب اس سے معانقہ کیا جائے۔ (اصول کافی)

سلام وجواب کے بعض دوسرے احکام

مخفی نہ رہے کہ چھوٹے بڑے اور امیر وغریب کو سلام کرنا اور سلام کرنے میں پہل کرنا سنت ہے اگر کسی جماعت میں سے صرف ایک شخص سلام کرے تو اسے استحباب ادا ہو جاتا ہے اور یہی حکم جواب کا ہے تھوڑے زیادہ پر، سوار پیدل پر، گھڑ سوار خچر سوار پر اور خچر سوار گدھا سوار پر سلام کرنے میں پہل کرے۔ بنا بریں موٹر سوار موٹر سائیکل سوار پر، موٹر سائیکل سوار بائیسکل والے کو، الغرض ہر اعلیٰ سوار ادنیٰ سوار کو سلام کرنے میں پہل کرے۔ البادی بالسلام اولی باللہ و برسولہ اصول کافی۔ یعنی سلام میں پہل کرنے والا خدا اور رسول کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ یہود و نصاریٰ وغیرہ کفار و مشرکین کو سلام نہ کیا جائے۔ اور اگر وہ سلام کریں تو جواب میں وہی الفاظ دہرا دیے جائیں۔ تفسیر تبیان بعض اخبار سے واضح و آشکار ہوتا ہے کہ من جملہ ان آداب کے جو حضرت امیر علیہ السلام نے اپنے اصحاب کو تعلیم دیے تھے ایک یہ تھا کہ جب کسی کو چھینک آئے تو اس سے کہو یرحمك اللہ۔ اور اسے چاہیے کہ وہ جواب میں کہے: یغفر اللہ لکم و یرحمکم۔ کیونکہ خدا فرماتا ہے: واذا حییتم بتحیة و حیوا باحسن منہا اور دوہا۔

(کتاب الخصال)

ایضاح: ہماری بعض روایات سے مستفاد ہوتا ہے کہ آیت مبارکہ میں تحیّہ کی تفسیر میں وارد ہے: السلام وغیر من البر۔ یعنی سلام اور کوئی اور نیکی ادعوا الی اللیالی کی روایت میں السلام وغیرہ من البر و الاحسان وارد ہے۔ اور اس کی تائید کتاب مناقب بن شہر آشوب کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں وارد ہے کہ ایک بار امام حسن علیہ السلام کی ایک کنیز نے ایک پھول امامؑ کی خدمت میں بطور تحفہ پیش کیا۔ امامؑ نے اسے راہ خدا میں آزاد کر دیا۔ وجہ پوچھنے پر فرمایا: خدا فرماتا ہے: اذا حییتم بتحیة فردوہ باحسن منہا کہ جب تم میں سے کوئی تحفہ پیش کرے تو تم اس سے بہتر پیش کرو۔ چنانچہ اس کنیز کے لیے آزاد کرنا اس کے تحیّہ سے بہتر تھا۔ سچ ہے: ہل جزاء الاحسان الا الاحسان کہ احسان کا بدلہ احسان کے سوا کچھ نہیں ہے۔

اللہ لا الہ الا ھو.....الآیة

اسلامی عقائد میں عقیدۂ قیامت کو جو اہمیت حاصل ہے وہ کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے۔ اس لیے خداوند عالم بار بار مختلف عنوانوں اور پیراؤں سے اس کے واقع ہونے کا تذکرہ کر کے اسے مسلمانوں کے دل و دماغ میں راسخ کرنا چاہتا ہے کہ وہ دارِ دنیا میں جو کچھ کریں گے ان کو اس کی ایک نہ ایک دن جزا یا سزا ضرور ملے گی۔ جس دن خالق و مالک کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے اور اپنی دنیوی سعی و کوشش اور کد و کاوش کا ثمرہ اور نتیجہ پائیں گے۔

باب الحدیث

مسلمانوں کے کام انجام دینے کا اہتمام کرنا اور ان کو فائدہ پہنچانا

تحریر: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی
موسس و پرنسپل جامعہ سلطان المدارس سرگودھا

(۱) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے، فرمایا کہ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص اس حالت میں صبح کرے کہ اسے مسلمانوں کے کام انجام دینے کی کوئی فکر نہ ہو وہ سمجھ لے کہ وہ مسلمان نہیں ہے۔ (اصول کافی)

(۲) نیز انہی حضرت سے مروی ہے، فرمایا کہ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں سب لوگوں سے زیادہ عبادت گزار ہے جو لوگوں کی امانتیں ادا کرتا ہے۔ اور سب مسلمانوں سے دل وجان سے زیادہ محبت کرتا ہے۔ (اصول کافی)

(۳) نیز انہی حضرت سے مروی ہے، فرمایا کہ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن اس شخص کی منزلت سب لوگوں سے زیادہ عظیم ہوگی جو زمین خدا میں سب سے زیادہ چلے گا خلق خدا کو وعظ و نصیحت کرنے کے لیے۔ (اصول کافی)

(۴) نیز انہی حضرت سے مروی ہے، فرمایا کہ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ محبوب بندہ کون ہے؟ فرمایا: جو سب سے زیادہ اللہ کے بندوں کو فائدہ پہنچائے۔ (اصول کافی)

(۵) حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ انھوں نے آیت مبارکہ "قولوا للناس حسنا" (لوگوں سے اچھی بات کہو) کے بارے میں فرمایا: جس طرح تم چاہتے ہو کہ لوگ تمہارے بارے میں بات کریں اس سے زیادہ اچھی بات تم لوگوں کے بارے میں کہو۔ (اصول کافی)

وفیہ کفایۃ لمن لہ ادنی درایۃ

بقیہ باب الاعمال

علاقہ و ماحول کے علماء و مجتہدین میں سے جو سب سے افضل ہو اس کی طرف رجوع کرنا یقیناً افضل ہے مگر اس کا تقلید اعلم فی العالم کے وجوب کے ساتھ کیا تعلّق ہے یا اس کا مطلب یہ کب ہے کہ سوائے اس مجتہد کے جو تمام کائنات کے مجتہدوں سے بڑا ہے۔ باقی تمام مجتہدین کی تقلید حرام ہے۔ ودون اثباتہ خرط القتاد۔ اس پر کوئی شرعی و عقلی دلیل موجود نہیں ہے۔ بلکہ اس کے خلاف بیسیوں دلائل و براہین موجود ہیں ولبیانہا محل آخر۔ یہ تو اجتہاد کا دروازہ بند کرنے کی شعوری یا غیر شعوری سازش ہے۔ واللہ العاصم

باب المسائل

مختلف دینی و مذہبی سوالات کے جوابات

مطابق فتویٰ: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی

ٹی وی پر کشتی دیکھنا

سائل: راجا نجم

سوال نمبر ۷۰۱: میرا علامہ صاحب سے ایک سوال ہے کہ ہم لوگ ٹی وی پر کشتی یعنی لوگوں کی لڑائی وغیرہ دیکھتے ہیں، وقت گزارنے کے لیے، کیا یہ دیکھنا ٹھیک ہے کہ نہیں؟

الجواب: باسمہ سبحانہ! وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ!

اس میں شرعاً کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ واللہ العالم

خاکِ شفا پر بنی شبیہ پر سجدہ

سائل: فیصل ضمیر جعفری

سوال نمبر ۷۰۲: سلام آغا صاحب اللہ آپ کو اپنی حفظ و امان میں رکھے۔

الجواب: باسمہ سبحانہ! سجدہ گاہ پر کوئی تحریر یا کوئی تصویر نہیں ہونی چاہیے۔ اور اگر ہو تو اسے کسی درو دیوار سے رگڑ کر مٹا دینا چاہیے یا پھر اسے الٹا زمین پر رکھ کر اس کی دوسری طرف سجدہ کرنا چاہیے جو صاف ہو۔ تاکہ ہر قسم اعتراض و ایراد سے دامن صاف ہو جائے اور سجدہ کرنے کا جو مقصد ہے وہ بوجہ اتم و اکمل پورا ہو جائے۔

سیّد اور غیر سیّد کی شادی

سائل: عدیل نقوی

سوال نمبر ۷۰۳: سلام یا علی علیہ السلام مدد! آپ سے میرا سوال ہے کہ کیا سیّد لڑکی غیر سیّد لڑکے کے لیے جائز ہے؟ برائے مہربانی جواب دیں۔

الجواب: باسمہ سبحانہ! اس مسئلہ میں کسی اور مرجع تقلید کی طرف رجوع کریں۔ واللہ العالم

بُرے خیالات کا آنا

سائل: عدنان

سوال نمبر ۷۰۴: السلام علیکم یا علی مدد!

مجھے ایک بہت بڑا مسئلہ ہے کہ مقدس شخصیات کے بارے میں میرے ذہن میں بُرے خیالات آتے ہیں۔ کیا یہ گناہ ہے؟ اس سے بچنے کا طریقہ بتائیں۔

الجواب: باسمہ سبحانہ! وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ!

خیالاتِ فاسدہ کا دل و دماغ میں پیدا ہونا یہ نفس امارہ اور شیطانِ رجیم کی کارستانی ہے، جو یوسوس فی صدورِ الناس (لوگوں کے دلوں میں وسوسے پیدا کرتا ہے) چونکہ یہ انسان کا اختیاری فعل نہیں ہے لہٰذا اس پر خدا کوئی سزا نہیں دے گا اور اس سے بچنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ "لاحول و لا قوۃ الا باللہ" پڑھا جائے اور دوسرا یہ کہ خداوند عالم کی بارگاہ میں نفس امارہ اور شیطانِ رجیم کے شر و ضرر و زیاں سے بچنے کی دعا و استدعا کی جائے۔

ان شاء اللہ۔

حج کی اجازت

سائل: انتخاب حسین

سوال نمبر ۷۰۵: السلام علیکم ...... ہم سعودی عرب میں رہتے ہیں۔ ہم آسانی سے حج کے دنوں میں جا سکتے ہیں اور حج ادا کر سکتے ہیں۔ سعودی حکومت اور آجر کے قواعد وضوابط کے مطابق ہمیں دونوں سے اجازت لینا بہت ضروری ہے۔ یہ ممکن نہیں ہے۔ چونکہ ان کے پاس محدود کوٹا ہے اور اکثر اوقات آجر چھٹی نہیں دیتا۔ اس صورت میں ہم اس سال سعودی حکومت اور آجر سے پوچھے بغیر حج ادا کرتے ہیں کیا یہ ٹھیک ہے اور کیا ہم اسے بطور واجب ادا کر سکتے ہیں؟ یا کوئی دوسرا مشورہ دیں۔

الجواب: باسمہ سبحانہ! علیکم السلام ورحمۃ اللہ...... اگر حج آپ پر واجب ہے تو اس کی ادائیگی کے لیے کسی ملک شخص سے اجازت لینا ضروری نہیں ہے۔ اور اگر آپ فریضۂ حج ادا کر چکے ہیں اور اب مستحبّی حج ادا کرنا چاہتے ہیں تو پھر اجازت لے لینی چاہیے۔ واللہ العالم والعاصم

نمازِ جمعہ

سائل: حجاب زہراء

سوال نمبر ۷۰۶: سلام جی! کیا نماز جمعہ کے بارے میں آپ بتائیں گے؟

الجواب: باسمہ سبحانہ! سلام علیکم! نمازِ جمعہ اسلام میں ایک اہم اسلامی فریضہ ہے جس کے بارے میں ارشادِ قدرت ہے: اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ وذروا البیع (جب جمعہ کے دن اذان دی جائے تو اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف دوڑ کر جاؤ اور خرید وفروخت چھوڑ دو) مگر عورتوں پر، بوڑھے مردوں پر اور بیماروں پر نمازِ جمعہ میں حاضر ہونا واجب نہیں ہے۔

(نوٹ) ویسے واضح رہے کہ "سلام جی" کہنے سے سنت اسلام ادا نہیں ہوتی، بلکہ اس کی ادائیگی کے لیے دو صیغے مقرر ہیں: ① السلام علیکم ② سلامٌ علیکم۔

روزِ عاشور کا روزہ

سائل: سید حسنین رضا جعفری

سوال نمبر ۷۰۷: میرا سوال یہ ہے کہ آیت اللہ محمد حسین نجفی کے نزدیک عاشورہ کا روزہ رکھنا حرام ہے؟ مُستحب ہے؟ یا مکروہ ہے؟ برائے مہربانی اس کا جواب ضرور دیجیے۔ اور مجھے نجفی صاحب کے نظریہ آتش در فاطمہ سلام اللہ علیہا اور سقط محسن علیہ السلام کے بارے میں جاننا ہے۔ بتا دیں۔

الجواب: باسمہ سبحانہ! روزِ عاشوراء کا روزہ رکھنا نہ حرام ہے اور نہ مُستحب بلکہ مکروہ ہے۔ ہاں البتہ صبح سے عصر تک فاقہ رکھنا (کچھ نہ کھانا پینا) مُستحب ہے۔ اور دوسرے سوال کے جواب کے لیے میری کتاب "تجلیاتِ صداقت بجواب آفتابِ ہدایت" کا مطالعہ کیا جائے۔ سب حقائق روزِ روشن کی طرح واضح و آشکار ہو جائیں گے۔ ان شاء اللہ

نکاحِ مُتعہ

سائل: آدم عبدالکریم مغربی افریقہ گھانا

سوال نمبر ۷۰۸: برائے مہربانی کیا آپ اسلام میں نکاحِ مُتعہ کے بارے میں وضاحت کر سکتے ہیں۔ کچھ

کہتے ہیں کہ یہ اسلام میں نہیں ہے اور کچھ کہتے ہیں کہ یہ اسلام میں ہے۔ برائے مہربانی بطور ہمارے راہنما کیا آپ میرے لیے اس موضوع کی وضاحت کر سکتے ہیں؟

الجواب: باسمہ سبحانہ! اس حقیقت پر سب مکاتب فکر اسلامی اور تمام علماء اسلام کا اتفاق ہے کہ عقد مُتعہ ابتداء اسلام میں جائز تھا۔ چنانچہ علامہ فخرالدین رازی اپنی تفسیر کبیر کی پہلی جلد میں آیت مُتعہ (جو پانچویں پارے کی ابتداء میں مذکور ہے: فما استمتعتم به منهن فأتوهن اجورهن فريضة) کی تفسیر میں لکھتے ہیں: اجمع علماء الاسلام على ان المتعة كانت جائزة فى اوائل الاسلام" اور ایسا ہی افادہ علامہ ثناء اللہ پانی پتی نے اپنی تفسیر مظہری میں فرمایا ہے۔ فراجع...... بند کب ہوا؟ جناب جابر بن عبداللہ صحابی کی زبانی سنیے، فرماتے ہیں کہ: مُتعہ والی آیت قرآن میں نازل ہوئی۔ اور ہم نے اس عہد رسالت اور عہد ابوبکر میں عمل بھی کیا۔ پھر نہ خدا نے اسے منسوخ کیا اور نہ رسولؐ نے اس سے منع کیا۔ حتی کہ ایک شخص نے اپنی رائے سے اسے حرام قرار دے دیا (بخاری شریف) یہی وجہ ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام فرمایا کرتے تھے: "لولا نهى عمر عن المتعة لما زنى الا الشقى" اگر فلاں مُتعہ سے لوگوں کو منع نہ کرتے تو سوائے شقی و بدبخت کے کوئی آدمی زنا نہ کرتا۔

(تفسیر درمنثور علامہ سیوطی)

سوال نمبر ۷۰۹: والله و ربى العزة انتم على ظلال و لن تفلحوو سنحتكم الى الله سبحانه و تعالى و سندرى سفيعكم و مهديكم لقد سلمتم نساء كم شريفات العربيات الى معميكم من مجوس و ابحتم زينا ز ينبيات اقسم انكم سوف تحتدقون هنا و هناك فى جهنم و لن تفلحو فى هدم السنة الرسول الكريم و مكة و المدينة ـ اينما وطنة اقدامكم ترى دمار ـ لقد شوهتم الاسلام ـ لن تستطيع هدم مليار و سبعة مائة سنى مقابل ۱۰۰ مليون رافظى نحن احفاد عمر فاروق قاهر المجوس ـ

الجواب: باسمہ سبحانہ! كما ان صوت الكلاب لا يطفى نور الشمس و القمر كما قيل بالفارسية:

نور فی افشاند و سگ بانگ می زند
سگ را بگوکہ خشم تو با ماہتاب چیست

و الله متم نوره و لو كره المشركون ـ كذلك لا يطفى صوت النور حب و الخوارج نور مذهب اهل البيتؑ ـ

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

بھلا ع

وہ شمع کیوں بجھے جسے روشن خدا کرے

غالیانہ عقائد

سائل: حر علی نین

سوال نمبر ۷۱۰: آج کل پاکستان میں یہ میسج چل رہا ہے:

"ابوطاہر" یہ حضور ﷺ کا لقب ہے، اس کا مطلب ہے "پانی کا باپ"۔

"ابوتراب" یہ مولا علی علیہ السلام کا لقب ہے، جس کا مطلب ہے "مٹی کا باپ"۔

یعنی علی علیہ السلام نہ ہوں تو مٹی نہ ہو، اور مٹی نہ ہو تو اناج نہ ہو اور دنیا بھوکی مر جائے۔ تو اللہ نے بتا دیا جو بھی

روٹی کھاتا ہے وہ علی علیہ السلام کا صدقہ ہے اور جو کوئی پانی پیتا ہے وہ نبی کا صدقہ ہے۔ اگر پانی چاہیے تو پہلے مٹی کو کھودنا پڑے گا، پھر پانی نکلتا ہے۔ یعنی نبی تک پہنچنا ہو تو پہلے علی علیہ السلام تک پہنچنا پڑے گا۔ مگر میں اس میسج کو غلط سمجھتا ہوں۔ کیونکہ اس میں جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لقب مبارک بتایا گیا ہے اس کا مطلب تو پاک یا پاکی کا ہے تو پانی غلط بتایا گیا ہے تو سر آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟

الجواب: باسمہ سبحانہ! اس سوال میں حضرت امیر علیہ السلام کے لقب ابوتراب کا جو خود ساختہ اور غالیانہ مفہوم بیان کیا گیا ہے وہ بالکل غلط اور ایجادِ بندہ ہے۔ جس کا اصل حقائق سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ واللہ العالم

شہادت ثالثہ در نماز

سائل: جان عالم خان

سوال نمبر ۱۱۷: آپ سے تشہّد کے بارے میں پوچھنا تھا جو کہ موجودہ دور کا سب سے بڑا مسئلہ بن گیا ہے۔ ہمارے خاندان میں بھی کچھ لوگ اپنے پیر کے کہنے پر نماز میں علی ولی اللہ پڑھنے لگے ہیں۔ میری ان سے بحث ہوتی ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اہل بیت علیہم السلام کا تعلیم کیا ہوا بتا دو۔ پھر ہم مان جائیں گے کہ اس سے نماز باطل ہوتی ہے۔ آپ سے گزارش ہے کہ مجھے مستند ترین کتابوں سے حوالے بھیج دیں۔ میں آپ کے جواب کا منتظر ہوں۔ اللہ آپ کو محمدؐ و آل محمدؑ کے صدقے سلامت رکھے۔ آمین۔

الجواب: باسمہ سبحانہ! تشہّد میں کیا پڑھنا چاہیے؟ اس سوال کا جواب بڑا واضح تھا کہ جو کچھ سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام نے پڑھا ہے وہی پڑھنا چاہیے اور جو تشہّد چودہ سو سال سے ہمارے علماء و فقہاء اور مومنین کرام پڑھتے چلے آتے ہیں وہی پڑھنا چاہیے اور اس میں شہادت ثالثہ مذکور نہیں ہے، بلکہ شہادت توحید و رسالت ہے اور سرکار محمد و آلِ محمد علیہم السلام پر درود و سلام ہے۔ و بس۔ مگر کچھ عرصہ سے جاہل ذاکروں، جاہل پیروں اور دین فروش ملاؤں نے اس مسئلہ کو الجھا دیا ہے اور بڑا مسئلہ بنا دیا ہے۔ ورنہ ہماری کتب اربعہ ہوں یا وسائل الشیعہ وغیرہ کتب، ان سب میں وہ تشہّد موجود ہے جو سرکار محمد و آلِ محمد علیہم السلام پڑھا کرتے تھے۔ اس میں نہ کمی کرنی چاہیے اور نہ بیشی......جب یہ لوگ کتب حدیث و فقہ میں ان ذواتِ مقدسہ کا شہادتِ ثالثہ کا پڑھنا ثابت نہ کر سکے تو پھر تاویل کا ایک نیا جال بچھایا۔ ع

نیا جال لایا پرانا شکاری

اور وہ یہ ہے کہ کیا سرکار معصومینؑ نے شہادتِ ثالثہ پڑھنے سے روکا ہے؟......تو واضح رہے کہ معصومؑ اس برے کام سے روکتے ہیں جو ان کے سامنے کیا جائے۔ تو جب ان کے دور میں کسی مومن نے نماز کے تشہّد میں شہادت ثالثہ پڑھی ہی نہیں تو پھر معصومؑ کس طرح روکتے؟ انھوں نے صرف یہ فرمایا ہے کہ دین وہی ہے جو خدا نے بنایا ہے، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بندوں تک پہنچایا ہے اور پھر آپ نے اور آپ کی عترت اہل بیت علیہم السلام نے اس پر عمل کر کے دکھایا ہے۔ اس میں کسی قسم کی و بیشی نہیں کرنی چاہیے۔ والحمد للہ علی وضوح الحق والحقیقۃ

قضاء نمازیں

سائل: کاظم علی

سوال نمبر ۷۱۲: آغا! آپ کے ذمہ قضاء نمازیں ہوں یا بچپن کی کچھ نمازوں کے بارے میں شک ہو کہ وہ صحیح ادا کی گئیں یا نہیں، اور تعداد معلوم نہ ہو تو کیا ہر روز کی نمازوں کے ساتھ بطور قضاء ادا کی جا سکتی ہیں؟ کیا قضاء نماز فرض سے پہلے پڑھی جائے گی؟ بحوالہ توضیح المسائل آغا سیستانی۔ جزاک اللہ

الجواب: باسمہ سبحانہ! ایسی صورت میں کہ جب یقین نہ ہو کہ کتنی نمازیں قضا ہیں تو پھر ان کا تخمینہ لگایا جاتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ اور کم سے کم کس قدر ہوں گی، پس جب اتنی مقدار قضا کر دی جائے تو پھر آدمی آزاد ہو جاتا ہے۔ اب رہی یہ بات کہ ہر روز کتنی قضا نمازیں پڑھنی چاہئیں؟ یہ آدمی کی مصروفیت اور فراغت پر منحصر ہے۔ لہٰذا ایک دن میں کئی دنوں کی نمازیں بھی پڑھی جا سکتی ہیں اور ہر نماز کے ساتھ ایک نماز یعنی ایک دن میں ایک دن کی قضا نمازیں بھی پڑھی جا سکتی ہیں۔ واللہ الموفق

سائل: سیدالحسینی

سوال نمبر ۷۱۳: ایک مسئلہ ہے، جس کی وضاحت اگر ہو سکے تو مہربانی ہوگی۔ مسئلہ یہ ہے۔ توضیح المسائل آغا سیستانی مسئلہ نمبر ۴۴۸ (۳) حائض کے احکام (.......... البتہ یہ حکم عورت سے دبر میں مجامعت کے لیے نہیں۔ لیکن دبر میں مجامعت، عورت کے راضی نہ ہونے کی صورت میں احتیاط واجب کے بنا پر جائز نہیں ہے۔ چاہے وہ حیض میں ہو یا نہ ہو) سوال یہ ہے: اگر عورت راضی ہو تو کیا جائز ہے؟

الجواب: باسمہ سبحانہ! یہ انتہائی ناپسندیدہ فعل ہے۔ سرکار معصومین علیہم السلام نے اپنے نام لیواؤں کو اس سے منع فرمایا ہے۔

بقیہ باب العقائد

مرزوق کو رازق کہنا بھی مباح ہوگا؟ اور اگر ایسا کہنا جائز نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے تو پھر وہ خیال باطل اور محال ہو گیا کہ غلو ممکن نہیں ہے۔ یہ چیز صرف واہمہ کی پیداوار ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

لا تدعونا اربابا ثم قولوا فی فضلنا ما شئتم ولن تبلغوا

کی حقیقت سمجھنے کے لیے گوش شنوا اور دیدۂ بینا درکار ہے۔ "ثم قولوا فی فضلنا" کے اثبات سے پہلے "لا تدعونا اربابا" کی نفی میں سب کچھ سمجھا دیا گیا ہے۔ ع

عاقلاں را اشارتے کافی است

لطف یہ ہے کہ یہ سب کچھ محبت اہل بیتؑ بلکہ عشق آلِ محمدؐ کے نام پر کیا جاتا ہے۔ محبت ہو یا عشق، وہ عقیدت و عمل میں محبوب کے اتباع و اطاعت کا تقاضا کرتے ہیں۔ یہ عجیب محبت ہے کہ محبوب کچھ کہتا ہے اور مُحبّ کچھ اور کہتے ہیں۔ محبوب کچھ کرتے ہیں اور مُحبّ الٹ کرتے ہیں اور محبوب کے احکام کی پروا نہیں کرتے۔ یہ فریب نفس ہے عشق و محبت نہیں ہے۔ ع

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے

یہ بالکل واضح حقائق ہیں۔ مگر ؎

آنکھیں ہوں اگر بند تو پھر دن بھی رات ہے

اس میں بھلا قصور کیا ہے آفتاب کا؟

باب المتفرقات

روزہ کے اسرار و اغراض اور حقیقت

تحریر: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی موسس و پرنسپل جامعہ سلطان المدارس سرگودھا

جس طرح عالم آب و گل میں ادویہ کے افعال و خواص مُتعدّد ہوتے ہیں اور ایک ایک دوا کئی کئی امراض و اسقام کے ازالہ و دفعیہ کے لیے مفید ہوتی ہے بعینہ اسی طرح احکامِ الٰہیّہ کے مُتعدّد اغراض و مقاصد ہوتے ہیں اور اس کے ایک ایک حکم میں کئی کئی اسرار و رموز پوشیدہ ہوتے ہیں۔

ایں ہمہ صنعش کتابِ کار اوست
بے نہایت اندریں اسرار اوست

الغرض شریعتِ اسلامیہ کی ربانی تعلیم محض تحکم کے طور پر نہیں ہے بلکہ وہ سراسر حکم و مصالح پر مبنی ہے اور اس کے فرائض کی عمارت روحانی، اخلاقی، اجتماعی اور مادی فوائد و منافع کے ارکان پر قائم ہے۔ ذیل میں روزہ کے ان چہارگانہ اغراض و مقاصد کا ایک ایک شمہ بیان کیا جاتا ہے۔

روزہ کے روحانی فوائد

① فطرت و شریعت کا تقاضا یہ ہے کہ عقل نفس پر ہمیشہ غالب رہے۔ مگر بشری تقاضوں کی وجہ سے اکثر نفس عقل پر غالب آجاتا ہے، اس لیے شرع اقدس میں ماہ رمضان کا روزہ واجب قرار دیا گیا ہے، تاکہ نفس کا تزکیہ کیا جاسکے اور عقل کو نفس پر پورا پورا غلبہ اور تسلّط حاصل ہو جائے۔

② روزہ سے تقویٰ الٰہی کی بلند صفت حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ خداوند حکیم نے روزے کا سب سے بڑا روحانی مقصد اسی تقویٰ کو قرار دیا ہے۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ كُتِبَ عَلَيۡكُمُ ٱلصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى ٱلَّذِينَ مِن قَبۡلِكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُونَ ۝١٨٣

(سورۃ البقرۃ: ۱۸۳)

"اے ایمان والو! تم پر روزہ اسی طرح فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا، تاکہ تم متقی و پرہیزگار بن جاؤ"۔

تقویٰ خدا کے خوف اور اس کی محبت سے دل کے اندر پیدا ہونے والی اس طاقت و کیفیّت کا نام ہے جس کے پیدا ہونے کے بعد دل میں گناہ کرنے سے نفرت اور جھجک محسوس ہونے لگتی ہے اور نیکی بجا لانے کی طرف بے پناہ رغبت پیدا ہو جاتی ہے۔ روزہ کا مقصد اقصیٰ دل کے اندر اس کیفیّت کا پیدا کرنا ہے۔

ظاہر ہے کہ انسان کے دل و دماغ میں گناہ کے اکثر جذبات بہیمی قوت کے افراط سے پیدا ہوتے ہیں۔ روزہ انہی انسانی جذبات کی شدت کو کمزور کرتا ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: "روزہ شہوت کو توڑنے اور کمزور کرنے کے لیے بہترین شے ہے"۔

یہ خوف و خشیتِ الٰہی ہی ہے جو انسان کو تنہائی میں یا چوری چھپے کچھ کھانے پینے سے باز رکھتا ہے۔ کسا خوفِ خدا ہے اس کے دل میں کہ بھوک و پیاس کی بڑی سے بڑی

تکلیف اٹھاتا ہے۔ مگر جلوت تو بجائے خود خلوت میں بھی کوئی ایسا کام نہیں کرتا جو اس کے روزہ کو توڑ دے، اور کیسا مضبوط اعتقاد ہے اس کو آخرت کی جزا و سزا پر کہ مہینہ بھر روزہ رکھتا ہے مگر ایک لمحہ کے لیے بھی اس کے دل و دماغ میں آخرت کے متعلّق شک و شبہ کا شائبہ تک نہیں آتا، ورنہ اگر اسے شک ہو جاتا تو کبھی روزہ پورا نہ کرتا۔ کیونکہ شک کی خاصیّت یہی ہے کہ وہ انسان کے عزم و ارادہ کو متزلزل کر دیتا ہے اور اسے وہ کام انجام نہیں دینے دیتا۔

③ روزہ رکھنے سے انسان کو اپنے عجز و انکسار اور خدائے قہار کی طاقت اور اس کے جلال کا احساس ہوتا ہے اور اسے معلوم ہوتا ہے کہ ہر لمحہ اور ہر روز نفس کی چلنے والی مشین خود کار و خود اختیار نہیں بلکہ کسی عظیم طاقت کے ماتحت ہے اور انسان نفس کا نہیں بلکہ خدا کا بندہ ہے۔

④ روزہ رکھنے سے چشم بصیرت وا ہوتی ہے اور حقائق اشیاء کا کشف ہوتا ہے۔ کیونکہ جب انسان کا معدہ ہضم و فتور سے خالی اور دل و دماغ تجزۂ معدی سے محفوظ ہو تو انسان کو دماغی اور روحانی یکسوئی و صفائی حاصل ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں بڑے بڑے اکابر نے بڑے بڑے تجربے کیے ہیں۔

روزہ کے اخلاقی فوائد

① روزہ رکھنے سے انسان کی درندگی و بہیمگی دُور ہوتی ہے اور ملائکہ سے قرب و تشبہ پیدا ہوتا ہے اور اس طرح رفتہ رفتہ اس میں ملکوتی اخلاقِ فاضلہ پیدا ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔

② روزہ رکھنے میں منعم حقیقی کے اس عظیم الشان انعام و احسان کا شکریہ ہے جو اس نے اپنے پیغمبر آخر الزمانؐ کے ذریعہ بنی نوعِ انسان پر کیا، ان ایام میں وہ کتاب ربانی و ہدایت روحانی نازل فرمائی جس نے ظلمانی کو نورانی، وحشی کو مہذب و با اخلاق، جاہل کو عالم اور نادان کو دانا بنا کر انسانیت کو معراجِ کمال تک پہنچا دیا۔ قرآن مجید میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے روزہ کے اغراض میں فرمایا ہے:

وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (البقرہ:۱۸۵)

(روزہ اس لیے فرض کیا گیا ہے کہ تم خدا کی بڑائی بیان کرو کہ اس نے تم کو ہدایت عطا فرمائی اور تا کہ تم اس کا شکر ادا کرو) ظاہر ہے کہ مُحسن کے احسان کو قدر کی نگاہ سے دیکھنا اور اس کا شکریہ ادا کرنا اخلاقِ حسنہ میں شامل ہے۔

③ روزہ رکھنے سے انسان میں مُشکلات و مصائب برداشت کرنے کی عادت پیدا ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ ایک مُسلمان کو میدان جہاد میں بھوک و پیاس اور دیگر شدائد کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ یہ روزہ ایک جبری فوجی ورزش ہے جو ہر بالغ و عاقل مُسلمان کو سال میں ایک مہینہ اس لیے کرائی جاتی ہے تا کہ وہ جسمانی تکالیف اور بدنی مُشکلات برداشت کرنے کے لیے آمادہ رہے اور دنیا کے مصائب و شدائد کا خندہ پیشانی کے ساتھ مقابلہ کر سکے۔

رزہ کے اجتماعی و معاشرتی فوائد

① روزہ رکھنے سے امیروں اور مالداروں کو بھوک و پیاس اور فقر و فاقہ کی تکلیف کا احساس ہوتا ہے۔ کیونکہ جو خود بھوکا نہ ہو اس کو بھوک کا اور جو خود پیاسا نہ ہو اس کو پیاس کی اذیت کا کس طرح احساس ہو سکتا ہے؟ بقول بعضے:

"سوزِ جگر سمجھنے کے لیے پہلے سوختہ جگر ہونا ضروری ہے"۔

اس سے ان کے اندر غریب پروری، رحمدلی، ہمدردی، ایثار و قربانی کے صالح جذبات پیدا ہوتے ہیں اور وہ فراخدلی

سے غرباء و مساکین کی امداد واعانت کرتے ہیں۔ جیسا کہ مشاہدہ ہے۔

(۲) روزہ اس کے فدیہ اور کفارہ کے احکام پر نظر غائر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے مواقع پر روزہ کا بدل غریبوں کو کھانا کھلانا قرار دیا گیا ہے۔ دائم المرض، بہت بوڑھے، اور جو بمشکل تمام روزہ رکھ سکتے ہیں، ان تمام کا فدیہ فی روزہ ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہے۔

جو شخص کسی عذر کی بنا پر احرام کھولنے سے پہلے سر منڈائے "ففدیة من صیام او صدقة او نسك" اس کا فدیہ روزہ یا خیرات یا قربانی ہے۔

جو شخص حج میں عملاً شکار کرے وہ منیٰ میں جانور ذبح کرے یا "او کفارة طعام مسکین او عدل ذلك صیاماً" (مائدہ) "چند مسکینوں کو کھانا کھلائے یا اس کے برابر روزے" اگر کوئی قسم کی مخالفت کرے تو دس یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے یا غلام آزاد کرے یا تین روزے رکھے۔ جان بوجھ کر روزہ نہ رکھنے یا روزہ توڑنے کے کفارہ میں ایک غلام آزاد کرنا یا دو ماہ کے روزے رکھنا یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا شامل ہے۔ ان احکام پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ روزہ اور صدقہ و خیرات کرنے اور غریبوں کو کھانا کھلانے اور غلام آزاد کرنے میں کتنا گہرا تعلق ہے۔ اور یہ کہ یہ ایک دوسرے کے قائم مقام ہیں۔

(۳) روزہ بہت سے گناہوں سے انسان کو محفوظ رکھتا ہے۔ جیسے غیبت، بدزبانی، مکر و فریب، رشوت و قمار بازی، اور بہتان تراشی، غلط بیانی، یاوہ گوئی وغیرہ۔ کیونکہ روزہ صرف بھوکا و پیاسا رہنے کا نام نہیں، بلکہ تمام منکرات و مناہی سے مکمل اجتناب کا نام ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سے معاشرہ کی اصلاح اور اجتماع کی فلاح ہو جاتی ہے۔

روزہ کے مادی اور طبی فوائد

(۱) اکثر بیماریاں کھانے پینے میں بے اعتدالی کرنے سے پیدا ہوتی ہیں۔ جیسا کہ جناب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: "البطنة رأس کل داء" شکم پُری تمام بیماریوں کی جڑ ہے"۔ نیز فرمایا: "کلوا فی بعض بطنکم تصحوا"۔ پیٹ کے بعض حصہ میں کھاؤ۔ یعنی اس کا کچھ حصہ خالی چھوڑ دو۔ اسی میں تمھاری صحت کا راز پوشیدہ ہے۔ مگر دیکھا یہ گیا ہے کہ اکثر لوگ پورا پیٹ بھر کر بھی بس نہیں کرتے جس کی وجہ سے معدہ پر ناقابل برداشت بوجھ پڑتا ہے اور انسان مختلف عوارض و امراض کی آماجگاہ بن جاتا ہے۔ روزہ ان عوارض کا مکمل علاج ہے۔ پورا ایک ماہ ہر روز ۱۲ یا ۱۴ گھنٹے اسے مکمل آرام ملتا ہے جس کی وجہ سے انسان کی صحت پر بڑا خوشگوار اثر پڑتا ہے۔ رطوبات فاسدہ تحلیل ہو جاتی ہیں اور بدن کا تنقیہ ہو جاتا ہے۔ اسی لیے بعض اطباء تو یہاں تک ہدایت کرتے ہیں کہ ہفتہ میں ایک بار فاقہ کیا جائے تا کہ جسمانی فضلہ خارج ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ جسم کی صحت و صفائی کا روح کی صحت و صفائی پر بڑا خوشگوار اثر پڑتا ہے۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

بعض جدت پسند مُسلمان جو مذہبی قیود کا جوا گردن سے اتارنے کی فکر میں غلطاں و پیچاں نظر آتے ہیں ان کی طرف سے یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ روزہ منافی صحت ہے۔ اس سے جسم پژمُردہ ہو کر کمزور ہو جاتا ہے، جیو کی

رونق ختم ہوجاتی ہے اور شدت بھوک و پیاس سے آنتوں میں درد اور دل میں جلن اور زبان میں خشکی پیدا ہوجاتی ہے جس سے انسان کو ازحد تکلیف ہوتی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ایک بیمار کے لیے ایک ماہر ڈاکٹر عمل جراحی تجویز کرتا ہے جس سے بیمار کو وقتی طور پر بڑی تکلیف ہوتی ہے مگر کوئی عقلمند نہ اس تجویز کو غلط کہے گا اور نہ ہی اسے ڈاکٹر کی مریض دشمنی پر محمول کرے گا۔ کیونکہ ہر شخص جانتا ہے کہ اس وقتی و عارضی تکلیف کا نتیجہ اور ثمرہ بڑا خوشگوار اور پائیدار ہے۔ کیونکہ اگر ڈاکٹر یہ عمل نہ کرے تو اس کا نتیجہ مریض کی ہلاکت ہوگا۔ بعینہٖ یہی کیفیّت روزہ اور دیگر اسلامی عبادات کی عارضی اور وقتی تکلیف کی ہے۔ چونکہ ان کا انجام دینی و دنیوی نقطہ نظر سے بڑا اچھا اور خوشگوار ہوتا ہے جس کے مقابلے میں اس عارضی دکھ اور تکلیف کی کوئی وقعت نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ عظیم الشان امور کی انجام دہی کے لیے جب تک جسم و جان کو محنت و مُشقّت کی کوٹھالی میں نہ ڈالا جائے اس وقت تک کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی کہ ع

بے رنج گنج ہر گز میسر نمی شود

تحدید روزہ کا راز

مذکورہ بالا بیان سے ایک اور سوال کا جواب بھی معلوم ہوگیا جو بعض حلقوں کی طرف سے کیا جاتا ہے کہ روزہ صرف ایک ماہ کا کیوں واجب کیا گیا ہے، اس سے کم و بیش کیوں واجب نہیں کیا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ: روزہ ایک قسم کی دوا ہے اور دوا کو بقدر دوا ہی استعمال کرنا چاہیے اگر پورا سال اس دوا کے استعمال میں صرف کر دیا جاتا تو یہ غیر طبعی علاج ہوجاتا۔ جس سے جسمانی جدوجہد اور شگفتگیٔ مزاج کا خاتمہ ہوجاتا...... اور اگر صرف ایک دو روز کا محدود وقت مقرر کیا جاتا تو اس میں دوا کا فائدہ ظاہر نہ ہوتا۔ اس لیے اسلام نے سال کے بارہ مہینوں میں سے صرف ایک ماہ کا روزہ مقرر کیا، اور وہ مہینہ بھی معین کر دیا گیا، تاکہ امت مُسلمہ اسلامی نظام وحدت کا مظاہرہ کرسکے اور یہ وہی مقدس مہینہ ہے جس میں قرآن نازل ہوا۔ "شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن"۔

روزہ پہلی امتوں پر بھی فرض تھا

قرآن و حدیث اور تاریخ کا مطالعہ کرنے سے یہ بات روشن ہوجاتی ہے کہ نماز کی طرح روزہ بھی گزشتہ تمام شریعتوں اور امتوں میں فرض رہا ہے۔ البتہ روزے کے احکام، اوقات اور ان کی تعداد بدلتی رہی ہے۔ آج بھی اکثر مذاہب میں کسی نہ کسی شکل میں (اگرچہ مسخ شدہ ہی کیوں نہ ہو) روزہ موجود ضرور ہے۔ ارشادِ قدرت ہے: "یا ایھا الذین آمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم"۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ روزہ میں وہ خُصوصیّت ہے کہ نماز و زکوٰۃ کی طرح ہر شریعت میں ہمیشہ فرض رہا ہے۔ اسلام نے جو کہ دین فطرت ہے اس کے احکام، اوقات اور اس کی تعداد میں بڑی مُفید اصلاحات کر کے موجودہ شکل میں صرف ایک ماہ کے روزے واجب کیے ہیں۔ اس سے زیادہ تفصیلات میں جانے کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔

روزے کی بعض خُصوصیات

روزہ کو دیگر اسلامی عبادات سے بعض خُصُوصی

امتیازات حاصل ہیں۔ مثلاً:

① اس کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ ایک خالص اور بے ریا عبادت ہے جس میں ریاء وسمعہ کا تصور بھی نہیں ہوسکتا۔ دوسری جتنی عبادتیں ہیں وہ کسی نہ کسی ظاہری ہیئت و حرکت سے بجالائی جاتی ہیں۔ مثلاً نماز میں آدمی کو اٹھنا بیٹھنا پڑتا ہے، رکوع و سجود کرنا پڑتا ہے۔ حج میں طویل سفر کرکے لاکھوں افراد کی موجودگی میں ارکانِ حج بجالانا پڑتے ہیں۔ زکوٰۃ میں اور نہیں تو کم از کم ایک شخص دیتا ہے اور دوسرا لیتا ہے۔ الغرض ان عبادتوں کا حال چھپ نہیں سکتا۔ اس کے برعکس روزہ ایک ایسی عبادت ہے جس کا حال خدا اور بندے کے سوا کسی اور پر ظاہر نہیں ہوسکتا۔ ایک شخص سب کے روبرو سحری کھائے اور پھر افطار کے وقت تک بظاہر کچھ نہ کھائے پیے مگر چھپ کر کھا پی لے، تو خدا کے سوا کس کو اس کی خبر ہوسکتی ہے۔

لوگ تو یہی سمجھتے رہیں گے کہ وہ روزہ سے ہے، حالانکہ وہ حقیقت میں روزہ سے نہیں ہے۔ لہٰذا جو حقیقت میں روزہ رکھتا ہے سخت بھوک کی وجہ سے آنکھوں میں دم آرہا ہے مگر کوئی چیز نہیں کھاتا، شدت پیاس سے دل جل رہا ہے، زبان کانٹے کی طرح سوکھ گئی ہے مگر پانی کا ایک قطرہ حلق سے نیچے نہیں اتارتا۔ اسے خدا کے عالم الغیب ہونے پر کس قدر پختہ یقین ہے؟ وہ جانتا ہے کہ اس کی کوئی حرکت خواہ ساری دنیا سے چھپ جائے مگر خدائے علیم وخبیر سے نہیں چھپ سکتی۔ روزہ کے اسی اخلاص اور بے ریائی کا یہ اثر ہے کہ خداوند عالم (حدیث قدسی میں) فرماتا ہے: "الصوم لی وانا اجزی بہ"۔ "روزہ خاص میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا"۔ حالانکہ ہر کارِ خیر کی جزا خدا ہی دیتا ہے۔ مگر روزہ کی عظمت ظاہر کرنے کے لیے اس کی جزا کو خاص طور پر اپنی طرف نسبت دی ہے۔ پھر مسلسل ایک ماہ تک انسان کو اس آزمائش میں ڈالا جاتا ہے، یا اس کو یہ ٹریننگ دی جاتی ہے تاکہ خدا کو عالم الغیب جان کر اور حشر ونشر پر یقین رکھ کر گناہوں سے بچنے اور چھپ کر بھی اس کی قانون شکنی سے اِجتناب کرنے کا اس میں ملکۂ کاملہ پیدا ہوجائے۔

② روزے کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ یہ طویل مدت تک بندے سے احکامِ شریعت کی اطاعت کراتا ہے۔ نماز کی مدت ایک وقت میں چند منٹ سے زیادہ نہیں ہوتی، زکوٰۃ کی ادائیگی کا وقت سال میں صرف ایک بار آتا ہے اور وہ بھی چند منٹ اور وہ بھی سب کے لیے نہیں، ان کے برخلاف روزہ سال میں پورے ایک مہینہ تک شب و روز اتباعِ شریعت کی مشق کراتا ہے جس طرح فوج کو جفاکش بنانے کے لیے ایک دو ماہ کے لیے ہر سال جنگلوں اور پہاڑوں میں رکھا جاتا ہے، جہاں سپاہی ہر روز میلوں پیدل چلتے ہیں اور پہروں بھوکے پیاسے رہتے ہیں اور اسے "کیمپ لائف" کہا جاتا ہے۔ اس طرح امتِ مُسلمہ کے لیے ماہِ رمضان "کیمپ لائف" ہے۔ خود ہی اندازہ لگائیے کہ جو لوگ دنیا بھر کی نعمتوں کو ٹھکرا کر ہر روز کم از کم بارہ گھنٹے پیاسے رہتے ہیں، نماز پنجگانہ کے علاوہ نمازِ تہجّد بھی ادا کرتے ہیں۔ سحری کے بعد تلاوتِ قرآن کرتے ہیں۔ پورا مہینہ خدا کے تصور میں ڈوبے رہتے ہیں۔ غرباء اور مساکین کی نگہداشت کرتے ہیں، اپنی کمائی راہِ خدا میں خرچ کرتے ہیں۔ وہ تقدس وتوازن کی کس منزل پر پہنچ

باقی صفحہ ۳۰ پر

باب المتفرقات

اعتراضات کی آندھیوں میں تحقیق کے چراغ قسط ۷

علامہ آغا حسین الحیدری

سلفی صاحب کا بغیر کسی معقول دلیل وبرہان کے صرف یہ کہہ دینا کہ مولانا شمس الحق افغانی نے رجوع کر لیا تھا ایک لغو وبے معنی بچوں کی باتیں ہیں جو ریت کی دیوار بنانے کے مترادف ہے دعوی کی صحت کے لیے واضح دلیل درکار ہوتی ہے بدون دلیل دعوی صریح البطلان ہے چاہیے تو یہ تھا کہ سلفی صاحب حضرت مولانا شمس الحق افغانی صاحب کی زندگی میں شائع ہونے والی ان کی اپنی کتاب ”علوم القرآن“ سے ہی ان کا رجوع ثابت کرتے جس میں وہ پوری طرح ناکام ہو چکے ہیں اور صبح قیامت تک وہ اسے ثابت نہیں کر سکتے ۔ رہا یہ کہنا کہ ”مشاغل علمی اور ہجوم کار نے علامہ افغانی رحمہ اللہ کو ممکن ہے اپنی زیر نگرانی تصحیح کا موقع نہ دیا ہو“ یہ قیاس مع الفارق ہے اور بنائے ہوئے گھگو گھوڑے اور صدری ڈھکوسلے ہیں جن کی اہل علم کے ہاں پرکاہ کے برابر بھی کوئی حیثیت نہیں ہے ۔ راقم السطور کے ذخیرۂ کتب میں علامہ افغانی صاحب کی کتاب ”علوم القرآن“ کے مُتعدّد ایڈیشن موجود ہیں، مثلاً مطبوعہ ادارہ مدرسہ فاروقیہ بہاولپور، بار اول، اکتوبر ۱۹۶۹ء بمطابق ۱۳۸۹ھ علاوہ ازیں مکتبہ عُثمانیہ جامعہ اشرفیہ اچھرہ لاہور اور دیگر جدید تازہ انڈیشن بھی موجود ہیں کسی میں بھی رجوع ثابت نہیں ہے حتی کہ اُردو سے پشتو اور فارسی ترجمہ شدہ، پشاور وافغانستان کے مطبوعہ نسخے بھی بندۂ ناچیز کے کتب خانہ میں ہیں ۔ کہیں سے یہ رجوع ثابت نہیں ہے ۔ اگر جرأت وہمت ہے تو ثبوت پیش کیجیے ۔ تحقیق کرنا اور اصل مسئلہ کی گہرائی تک رسائی حاصل کرنا ہر کس وناکس کا کام نہیں ہے، سلفی صاحب ابھی کم علم اور علمی حقائق واسلوبِ تحقیق سے بالکل نابلد ہیں، یہ ان کے بس کی بات نہیں ہے ۔ غیر تحقیقی اور تلبیسات وبد دیانتیوں پر مشتمل مناظرانہ کتابچوں سے بلا تحقیق و تفتیش قصے کہانیاں نقل کر دینے کو ژٹلیاں تو کہہ سکتے ہیں، لیکن کسی صورت میں بھی اسے تحقیق کا نام نہیں دیا جا سکتا ۔ سلفی صاحب بیچارے تو عام عربی عبارت بھی ٹھیک سے نہیں پڑھ سکتے چہ جائیکہ وہ متونِ علمیہ کے مطالب کو درک کر سکیں جدلِ احسن کے قوانین وضوابط اور اس کے پیچ وتاب پر دسترس حاصل ہونا تو دور کی بات ہے ۔ ان کی تحریر نقل در نقل اور بے سروپا کہانیوں سے لبریز ہوتی ہے ۔ دشنام طرازی، مسخرہ پن، مقابل کی اہانت، بنیادی اخلاقیات سے انتہائی گری ہوئی تحریر ان کا اسلوب ہے ۔

قاضی مظہر حسین اور عبد الستار تونسوی کے مکتوب کی رام کہانی:

سلفی صاحب مفتی صاحب کو جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ”علامہ شمس الحق افغانی رحمہ اللہ کی علوم القرآن والی عبارت پر ہمارے حضرتِ اقدس مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ للہ نے انھیں تفصیلی خط لکھا تھا جس میں اہل تشیّع کے عقیدہ تحریف قرآن کے دلائل انہی کی کتب سے پیش کیے تھے ۔ اس پر علامہ افغانی رحمہ اللہ نے رجوع فرمایا تھا اور اس بات کا اعتراف فرمایا کہ چیزیں میرے علم میں پہلی بار آئی ہیں ۔ وہ تفصیلی مضامین اور مکتوب عنقریب کتابی شکل میں شائع ہونے والے ہیں“ ۔ بعد ازاں سلفی صاحب عنوان ”علامہ تونسوی رحمہ اللہ کا مکتوب اور علامہ افغانی رحمہ اللہ کا رجوع“ کے ذیل میں بحوالہ کتاب نقوش زندگی مؤلف عبد الحمید تونسوی یوں گوہر افشانی کرتے ہیں:

"مولانا رحمت اللہ ارشد (بہاولپور) علامہ شمس الحق افغانی رحمہ اللہ کے شاگرد تھے۔ انہوں نے ایک مرتبہ مولانا عبدالستار تونسوی رحمہ اللہ سے کہا تھا کہ ہمارے استاذ محترم فرمایا کرتے تھے کہ شیعوں کے سنجیدہ لوگ تحریف قرآن کے قائل نہیں ہیں۔ کیا یہ بات درست ہے؟ تو علامہ تونسوی رحمہ اللہ نے فرمایا شیعہ کا ائمہ معصومینؑ، جمہور محدثین سے زیادہ سنجیدہ کون ہو سکتا ہے؟ وہ سب کے سب اس پر متفق ہیں کہ موجودہ قرآن محرّف و مبدّل ہے۔ شیعہ کتب میں دو ہزار سے زائد روایات اس پر صراحتاً دال ہیں۔ البتہ صرف چار آدمیوں نے شیعہ فرقہ میں تحریف کا انکار کیا ہے۔ ان چار کے نام یہ ہیں:
① شریف مرتضیٰ ② علامہ ابوجعفر طوسی ③ شیخ ابوعلی طبرسی ④ شیخ صدوق۔ اور یہ ان کی ذاتی رائے ہیں۔ ائمہ معصومینؑ کی روایات کے مقابلہ میں ان کی کیا اہمیت ہے؟ اس لیے جمہور شیعہ علماء نے ان چار کی رائے کو کوئی اہمیت نہ دی۔ چنانچہ اس کے بعد علامہ عبدالستار تونسوی رحمہ اللہ نے مولانا شمس الحق افغانی رحمہ اللہ کو خط لکھ کر اس ساری تفصیل سے آگاہ فرمایا۔ علامہ افغانی رحمہ اللہ نے تونسوی رحمہ اللہ کے نام جوابی خط میں لکھا: "مجھے آپ کی تحقیق پر پورا اعتماد ہے، میں ان شاء اللہ اپنی کتاب کے نئے ایڈیشن میں اس بات کی تصحیح کر دوں گا"۔

(ماہنامہ حق چار یار جولائی ۲۰۱۳ء صفحہ ۳۵)

ہم نے گزشتہ صفحات میں مولانا شمس الحق افغانی کے عدم رجوع پر وضاحت کر دی ہے۔ رہی قاضی مظہر حسین اور عبدالستار تونسوی کے مکتوب کی بات تو اس سے متعلق صرف اتنا کہنا ہی کافی ہے کہ یہ دونوں حضرات تعلیماتِ اہل بیت اطہار علیہم السلام سے سراسر منحرف تھے، اسی وجہ سے مکتب اہل بیتؑ کے پیروکاروں کو ہمیشہ بے جا تنقید کا نشانہ بنائے رکھا۔ ان حضرات نے تعصّب میں آکر "شیعہ" پر جھوٹے اور بے بنیاد الزامات لگا کر انھیں مطعون کیا، شیعہ کے متعلّق ان حضرات کا متشدّد، متعنت اور غیر عادل ہونا اظہر من الشّمس ہے، شیعہ کے علاوہ دیگر علمی اور تحقیقی مسائل میں بھی یہ دونوں حضرات جذباتیت اور لاابالی میں آکر حق و انصاف کا خون کرتے رہے۔ اسی وجہ سے ان کے اپنے ہم مسلک نامور علماء نے بھی ان کی آراء کو درخورِ اعتناء نہیں سمجھا، چنانچہ مولانا سید لعل شاہ بخاری فاضل دیوبند کہ جو دارالعلوم دیوبند میں مولانا سرفراز خان صفدر صاحب کے ہم درس تھے (ان کے کچھ حالات ماہنامہ الشریعہ، امام اہل سنت نمبر جولائی، اکتوبر ۲۰۰۹ء زیر عنوان "علماء حق کے ترجمان" صفحہ ۵۶۰ تا ۵۶۳، میں ملاحظہ کیجیے)

انھوں نے قاضی مظہر حسین صاحب کے مکر و فریب پر ایک مستقل کتاب "البیان الاظہر لکشف مکائد المظہر" کے نام سے تحریر کی، تقریباً ساڑھے تین سو صفحات پر مشتمل یہ کتاب واقعاً قابل مطالعہ ہے۔ اسی سلسلے، میں مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری مرحوم کے بیٹوں کی جانب سے مکتوب "مولوی عبدالستار تونسوی کے نام کھلا خط" بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ علاوہ ازیں عبدالستار تونسوی صاحب نے اپنے کتابچوں میں شیعہ کتب سے عبارات قطع و برید کے ساتھ نقل کر کے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا ہے، ان کی خیانتوں پر ایک مستقل تحریر کی ضرورت ہے۔ تونسوی صاحب اپنی غلط بیانیوں اور دھوکا دہی کی وجہ سے مذہبِ حق کے خلاف مناظروں میں ہمیشہ مبلغ اعظم مولانا محمد اسماعیل گوجروی رحمہ اللہ سے عبرت ناک اور ذلت آمیز شکست سے دوچار ہوتے رہے، ذلت و رسوائی ہی ان کا مقدر بن چکی تھی، انھوں نے مذہب اہل بیتؑ کے خلاف ہر ناجائز حربے کو اپنا وطیرہ بنائے رکھا، تو بایں ہمہ شیعہ کے خلاف ایسے شخص کی بات کس حیثیت کی حامل ہو سکتی ہے!

مزید برآں کہ شیعہ کے متعلّق ان ہر دو حضرات کی شہادت ناقابل قبول ہے۔ کیونکہ شیعوں کے مدّ مقابل یہ حضرات فریق ہیں۔ ایک حریف کی دوسرے کے متعلق گواہی ہرگز قبول نہیں کی جا سکتی۔ شیعہ کے خلاف ان کا محض دعویٰ بلا دلیل ہے، جو صریح البطلان ہے۔ شیعہ کے متعلّق ان ہر دو کا فیصلہ دعویٰ عادلانہ نہیں ہے یہ حضرات منصف عادل تو درکنار شاہد

عادل بننے کے بھی قابل نہیں ہیں۔ قرآن مجید کا قانون وضابطہ ہے کہ: "اَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَ اَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ" (طلاق: ۲) گواہ کا عادل ہونا از حد ضروری ہے یہ ہر دو اپنی پوری زندگی میں منفی پہلوؤں پر ہی لکھتے رہے، بنابریں مدِ مقابل دیگر مسالک کے خلاف ان کی تحریروں اور نظریات میں انتہا درجے کی شدت اور جارحانہ رویہ نمایاں رہا۔ مدِّ مقابل کے لیے تحمل وبردباری نام کی کوئی چیز ان میں نہ تھی اگر ہماری بات سے اتفاق نہ ہو تو نثار معاویہ، خادم قاضی مظہر حسین صاحب کی مرتب کردہ کتاب "حسین یادیں" ملاحظہ کی جاسکتی ہے ع

مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

اربابِ انصاف پر مخفی نہ رہے کہ ان ہر دو نے جس مکتب فکر میں عمر بسر کی، خود اسی مکتب میں سوائے مخصوص افراد کے، ان کی آراء ناقابل التفات رہیں۔ مکتب اہل بیتؑ جس سے ان دو کو بغض وعناد تھا، اس کے بارے میں ان کی آراء کیونکر صحیح اور قابلِ قبول ہو سکتی ہیں؟

تونسوی صاحب کا سفید جھوٹ:

انسان کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات کو بیان کرے۔ سلفی صاحب پر حیرت ہے کہ وہ مقام تحقیق میں سنی سنائی باتوں اور کہانیوں پر پورا پورا اعتماد کر کے انھیں اپنی طرف سے مزید بڑھا چڑھا کر پیش کر دیتے ہیں، ان کی اسی روش کے باعث نقل حوالہ جات میں نمایاں طور پر خیانتیں اور بددیانتیں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ جن میں سے ہم چند ایک کی نشاندہی آئندہ اوراق میں کر دیں گے۔ یہاں بھی یہی صورتحال ہے کہ انھوں نے عبد الستار تونسوی کی اس بڑھک پر کہ "شیعہ کی ائمہ معصومینؑ سے منسوب روایات...... اس پر متفق ہیں کہ موجودہ قرآن محرف ومبدل ہے" بلا تحقیق اور سوچے سمجھے کے بغیر اندھا اعتماد کر لیا ہے۔ حالانکہ ائمہ معصومین علیہم السلام سے مروی احادیث اسی موجودہ قرآن مجید کے متعلق ہی ہیں، اسی قرآن کو عبادات وغیرہ میں پڑھنے کا حکم موجود ہے، قرآن کے متعلق اہل بیت رسالتؐ کی کچھ روایات تفسیری وتشریحی نوعیت کی ہیں، جنہیں بعض کم فہم، ظاہر پرست افراد نے مبنی بر تحریف سمجھا ہے، جبکہ ان میں سے بعض موہم تحریف روایات از قبیل اخبار آحاد ہیں اور ان کے راوی بھی درجۂ ثاقت پر پورے نہیں اترتے۔ حقیقت میں احادیثِ اہل بیت علیہم السلام تحریف پر دال نہیں ہیں۔ ہم یہ بات اپنی طرف سے نہیں بلکہ تونسوی وقاضی مظہرحسین کے مقتدیٰ و پیشوا شاہ عبد العزیز دہلوی صاحب اور قاضی صاحب کے والد، قاضی کرم دین صاحب کے اعترافات ان ہی کی زبانی نقل کیے دیتے ہیں۔

چنانچہ شاہ عبد العزیز دہلوی لکھتے ہیں کہ:

پس در جمیع روایات امامیه موجود است که همه اهل بیتؑ همین قرآن رامی خوانند و بعام وخاص ودیگر وجوه نظم او تمسك می کردند وبطریق استشهاد می آوردند وآیات او را تفسیر می کردند وتفسیری که منسوب است به امام حسن عسکریؑ که همین قرآن است لفظ به لفظ وصبیان وجواری خدم و اهل و عیال خود را همین قرآن تعلیم می فرمودند بخواندن آن در نماز امر می کردند وبنا برین امور شیخ ابن بابویه در کتاب الاعتقادات خود از ین عقیده کاذبه دست بردار شده وفارغ خطی داده از ین جهت اگر او را صدوق نامند بجا است

"پس تمام روایات امامیہ میں موجود ہے کہ تمام اہل بیتؑ اسی قرآن کو پڑھتے تھے اسی عام وخاص اور وجوہ نظم سے تمسک فرماتے اور اسی قرآن سے استشہاد لاتے رہے۔ وہ صرف اسی قرآن کی تفسیر فرماتے اور جو تفسیر شیعہ امام حسن عسکریؑ کی جانب منسوب ہے وہ صرف اسی قرآن کی تفسیر ہے اور اپنے بچے اور بچیوں، غلاموں اور اہل وعیال کو اسی قرآن کی تعلیم فرماتے نماز میں اسی کے پڑھنے کا حکم دیا ہے انہی امور کی بنا پر شیخ (صدوق) ابن بابویہ اپنی کتاب "الاعتقادات" میں تحریفِ قرآن کے عقیدہ کاذبہ سے دستبردار ہوئے اور اسے فارغ خطی دے دی۔ اسی بنا پر اگر انھیں صدوق کہا جائے تو درست اور بجا

ہے'' ۔ (تحفہ اثنا عشریہ، باب پنجم در الہیات، صفحہ ۲۱۵ مطبع ثمر ہند لکھنؤ ۱۲۹۵ھ)

اسی طرح اس کتاب کے باب یازدہم، فصل دوم تعصّب ششم، صفحہ ۵۶۲ پر اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

قرآن مجید کہ بلاشبہ از حضرات ائمہ نزد ایشان منقول بالتواتر است وھمیشہ آن حضرات او را بہ نیت عبادت در نماز وخارج نماز تلاوت می فرمودند وامام حسن عسکریؑ ودیگر ائمہ او را تفسیر کردہ اند ودر کلام خود استشھاد بآیات والفاظ می آوردند۔

''قرآن مجید بلاشبہ حضرات ائمہ اہل بیتؑ سے تواتر کے ساتھ نقل ہوا ہے اور ہمیشہ سے یہ حضرات اسی قرآن کو عبادت کی نیت سے نماز میں اور نماز کے علاوہ تلاوت فرمایا کرتے تھے اور حضرت امام حسن عسکریؑ اور دیگر ائمہ اہل بیتؑ نے اسی قرآن کی تفسیر کی ہے اور اپنی گفتگو میں اسی قرآن کی آیات اور الفاظ سے استشہاد لایا کرتے تھے''۔

قاضی صاحب کے والد، قاضی کرم دین دبیر صاحب کی کتاب ''تازیانہ سنت'' طبع قدیم وجدید ہر دو ہمارے پیشِ نظر ہیں موصوف اس حقیقت کا اعتراف ان الفاظ میں کرتے ہیں کہ: ''اب پھر ہم اصل مقصود کی طرف لوٹتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شیعہ کے اس باطل عقیدہ کی تصدیق کہ قرآن موجودہ صحیح الترتیب اور متروک الآیات ہے، ہرگز ائمہ معصومینؑ نے نہیں کی بلکہ ہمیشہ سے یہی کامل ومکمل قرآن سمجھا گیا ہے''۔ (تازیانہ سنت صفحہ ۳۲ مطبع سراج المطابع جہلم، طبع اول ۱۳۳۳ھ، وطبع جدید، صفحہ ۸۲، ناشر ادارہ مظہر التحقیق، کھاڑک، ملتان روڈ لاہور ۲۰۱۰ء)

بعد ازآں اسی کتاب کے صفحہ ۳۴ طبع قدیم اور صفحہ ۸۳ طبع جدید میں بطور نتیجہ بحث شیعہ روایات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اب ان روایات میں بڑی صراحت سے تسلیم کر لیا گیا ہے کہ قرآن موجودہ ہی وہ قرآن ہے جو آنحضرت کے زمانہ میں موجود تھا اور کہ جو لوگ اس میں تغیّر و تحریف کے قائل ہیں وہ جمہور امامیہ کے خلاف لایعبابہ قلیل اشخاص ہیں''۔

ان مذکورہ بالا اعترافات سے درج ذیل امور نکھر کر سامنے آتے ہیں:

اول: یہ کہ آئمہ علیہم السلام کی احادیث مبارکہ اسی بین الدفتین موجودہ قرآن مجید کے متعلق ہی ہیں اور اسے ہی کامل واکمل قرار دیتی ہیں۔

دوم: احادیث معصومینؑ سے عیاں ہے کہ موجودہ قرآن ہی اصل ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں یہی قرآن موجود تھا۔

سوم: یہ کہ جمہور علماء شیعہ اسی قرآن کو کامل ومکمل سمجھتے ہیں۔ تو از راہ انصاف بتائیے کہ شاہ عبدالعزیز دہلوی اور قاضی کرم دین صاحب نے صاف صاف تسلیم نہیں کر لیا کہ آئمہ اطہار علیہم السلام کی روایات اسی قرآن کریم کو مکمل کہہ رہی ہیں۔ نیز اس سلسلے میں قاضی کرم دین نے حضرت علی المرتضیٰؑ کا نہج البلاغہ سے اس بات کی تائید میں ایک ارشاد بھی نقل کیا ہے کہ:

''وھذا القرآن انما ھو خط مسطور بین الدفتین''۔ ''اور وہ یہی قرآن موجودہ ہے جو بین الدفتین مسطور ہے''۔

اب قاضی مظہر وتونسوی ہر دو صاحبان کا کذب وافتراء کھل کر سامنے آ گیا ہے، افسوس ناک اور حیران کن بات یہ ہے کہ شیعہ دشمنی میں تونسوی صاحب تو اس قدر بڑھ گئے کہ ائمہ اہل بیتؑ پر بھی بہتان والزام تراشی سے دریغ نہ کیا۔ اب بتائیے کہ آپ کے ان اکابر میں سے کس کی بات مانی جائے۔ شاہ عبدالعزیز دہلوی وقاضی کرم دین صاحبان کی یا تونسوی صاحب کی؟ ع

جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

سلفی صاحب کا یہ وطیرہ ہے کہ ماننے پہ آجائیں تو سنی سنائی بات بلا چوں وچرا مان لیں اور انکار پر اتر آئیں تو واضح وروشن حقائق کا دن دہاڑے انکار کر دیں۔ سچ ہے کہ ؎

آنکھوں والا تیرے جوبن کا تماشا دیکھے
دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے

یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ اہل سنت کے مستند اور جید علماء کرام نے تحریف قرآن کے سلسلے میں اس بات کا بڑے شدو مد سے اِعتراف کیا کہ جمہور شیعہ تحریف کے قائل نہیں ہیں جن میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی اور مولانا شمس الحق افغانی کے علاوہ مفتی الحنفیۃ سابق رئیس مدرسہ مرجانیہ بغداد علامہ ابو البرکات نعمان خیر الدین آفندی آلوسی ابن محمود آلوسی صاحب تفسیر روح المعانی، علامہ شیخ محمد غزالی جامعۃ الازہر، علامہ شیخ محمد المدنی المصری استاذ شعبہ کُلّیۃ الشریعہ جامعۃ الازہر، محقّق مولانا حکیم محمد نجم الغنی خان رام پوری شارح اصولِ شاشی، مولانا عبد الحق حقانی دہلوی صاحبِ تفسیر حقانی، مولانا محمد شبلی نعمانی، مولانا ڈاکٹر حامد حفنی داؤد استاذ ادب عربی قاہرہ، مولانا مظہر الدین بلگرامی فاضل مظاہر علوم سہارن پور اور علامہ استاذ محمد سالم مصری وغیر ہم مُقتدر علماء کی کثیر تعداد شامل ہے۔

مقدمہ تفسیر قمی کی نقل عبارت میں خیانت و بددیانتی:

سلفی صاحب کہتے ہیں کہ "تفسیر قمی شیعہ مذہب کی مُعتبر تفسیر ہے الجزائر کے معروف شیعہ عالم علامہ طیب موسوی الجزائری کے مقدمہ کے ساتھ یہ تفسیر اس وقت ہمارے پیشِ نظر ہے۔ مقدمہ میں طیب الجزائری نے کلینی، برقی، عیاشی، احمد بن ابی طالب، باقر مجلسی، نعمت اللہ الجزائری، حر عاملی، علامہ فتونی اور سید بحرانی جیسے بڑے نام لکھے ہیں کہ یہ سب علماء شیعہ تحریف قرآن کے قائل تھے اور لکھا ہے کہ ان حضرات نے تحریف قرآن پر ایسی ایسی روایات اور ثبوت پیش کر دیے ہیں کہ: "لایمکن الاغماض منہا" ان سے چشم پوشی ناممکن ہے۔

(مقدمہ تفسیر قمی جلد اول صفحہ ۲۴، مطبوعہ قم، ایران)

علاوہ ازیں حسین بن محمد النوری الطبرسی نے تو تحریف قرآن پر باقاعدہ کتاب لکھی ہے جس کا نام "فصل الخطاب فی اثبات تحریف کتاب رب الارباب" ہے یہ کتاب ۱۲۹۸ھ میں لکھی گئی تھی اور اسی لیے اہل تشیّع نے اس کتاب کے مُصنّف کو بعد از وفات مشہدِ مُرتضوی میں دفن کر کے اعزاز بخشا تھا۔ یہ کتاب دو کم ۴۰۰ صفحات پر مشتمل ہے"۔

(ماہنامہ حق چار یار لاہور جولائی ۲۰۱۳ء صفحہ ۳۶)

سلفی صاحب نے حق کو باطل اور باطل کو حق ثابت کرنے کے وہ تمام ہتھکنڈے بے دریغ اِستعمال کیے ہیں، جنھیں ان کے تکفیری اسلاف آزماتے چلے آئے ہیں۔ ان ہتھکنڈوں یا رسوا کن ناجائز حربوں میں سیاق و سباق سے عبارت کو قطع برید کر کے اپنا مدعی ثابت کرنے کی مکروہ کوشش، تحریف معنوی و علمی خیانت کا ارتکاب، علماء اہل سنت کی عبارات و روایات سے عمداً چشم پوشی، نتیجۃً حق پوشی عبارات سے غلط مفہوم اخذ کر کے بہتان تراشی کی شاطرانہ کوشش اور معقولیت سے بالکل عاری، محض مکر و فریب پر مبنی کج بحثی کو تحقیق کا شاہکار قرار دینے کے رویے شامل ہیں۔

جناب سلفی صاحب نے اپنے زعم میں قارئین کے لیے مکر و فریب کا جال پھیلاتے ہوئے شیعہ پر تحریف قرآن کا اِلزام، علامہ طیب جزائری کے کلام کو سیاق و سباق سے ہٹ کر، توڑ موڑ کر پیش کرنے کی سعی لاحاصل کی ہے۔ لیکن حقیقت کی تلاش کرنے والے قارئین اس دام تزویر میں پھنسنے والے نہیں ہیں۔ تعجب اس بات پر ہے کہ انھوں نے خود ہی یہ نتیجہ اخذ کر لیا ہے کہ کلینیؒ سے لے کر سید بحرانیؒ تک سب شیعہ علماء تحریف کے قائل تھے۔ حالانکہ ایسے نتائج اخذ کرنا خود سلفی صاحب کی محرفانہ طبیعت و ذہنیت کا خود ساختہ سیاہ کار ہے۔

اگر سلفی صاحب کے سامنے "مقدمہ" کا صفحہ ۲۳ اور ۲۴ تھا تو کیا ان جناب کی "عقابی نگاہ" صفحہ ۲۲ پر نہ پڑ سکی، جہاں سے صاحبِ مقدمہ نے جلی حروف میں "تحریف القرآن" کا عنوان قائم کیا ہے۔ تفسیر قمی مطبوعہ منشورات مکتبۃ الہدی نجف اشرف ۱۹۶۸ء علامہ السید طیب الموسوی الجزائری الکھنوی کے مقدمہ کے ساتھ ہمارے پیشِ نظر ہے۔ ہم سلفی صاحب کا ادھورا نقل کردہ حوالے کو مکمل عبارات مع ترجمہ کے قارئین کو پیش کرتے ہیں تاکہ ان کی خیانت و بددیانتی بے نقاب ہو جائے۔ افسوس ہے کہ سلفی صاحب کی نظر اپنے تکفیری اسلاف کی مانند بہت کمزور ہے یا یہ بھینگے ہیں کہ انھیں

دائیں طرف کا صفحہ سامنے نظر نہیں آیا نہ ہی بعد کی عبارات پر تحقیقی نظر ڈالنے کی انھوں نے زحمت گوارا کی ہے۔ اس کی سوائے خیانت علمی اور مکر وفریب کے کوئی دوسری وجہ معلوم نہیں ہوسکی۔

لیجئے! ہم یہاں اصل عبارات نقل کیے دیتے ہیں تا کہ سلفی صاحب کا جھوٹ آشکار ہو جائے۔

تفسیر قمی کے مقدمہ کی ابتدائی عبارات یہ ہیں:

بقی شیء یهمنا ذکره وهوانّ هذا التفسير كغيره من التفاسير القديمة يشتمل على روايات مفادهاان المصحف الذى بين ايدينا لم يسلم من التحريف والتغير وجوابه انه لم ينفرد المصنفؒ بذكرها بل وافقه فيه غيره من المحدثين المتقدمين والمتأخرين عامة وخاصة اما العامة فقد صنفوا فيه كتبًا كالسجستانى حيث صنف (كتاب المصاحف) و الشعرانى حيث قال: ولولا ما يسبق للقلوب الضعيفة و وضع الحكمة فى غير اهلها لبينت جميع ما سقط من مصحف عثمان (الكبريت الأحمر على هامش اليواقيت والجواهر ص ۱۴۳) و الآلوسى حيث اعترف بعد سرد الاخبار التى تدل على التحريف قائلا: و الروايات فى هذا الباب اكثر من ان تحصى (روح المعانى ۱/۲۴) وقال فخرالدين الرازى فى تفسيره: نقل فى الكتب القديمة ان ابن مسعود كان ينكر كون سورة الفاتحة من القرآن وكان ينكر كون المعوذتين من القرآن (مفاتيح الغيب ۱/۱۶۹) ونقل السيوطى عن ابن عباس و ابن مسعود انه كان يحك المعوذتين من المصحف و يقول لا تخلطوا القرآن بما ليس منه، انهما ليستا من كتاب الله، انما امر النبى صلى الله عليه وآله وسلم ان يتعوذبهما، و كان ابن مسعود لايقرأبهما (الدر المنثور ۶/۴۱۶) و قال الصبحى الصالحى: (اما القرائات المختلفة المشهورة بزيادة لا يحتملها الرسم و نحوها اوصى و وصى، و تجرى تحتها ومن تحتها، وسيقولون الله ولله، و ما عملت ايديهم و ما عملته فكتابته على نحو قرأته وكل ذلك وجد فى مصحف الامام (مباحث فى علوم القرآن ص ۹۸) و هذا اعتراف منه بان مصحف الامام مشتمل على زيادة لوضوح ان هذه القرائات كلها لم تنزل من الله تعالى لان الافصح و الابلغ فى المقام واحدة منها، و كلام الخالق لا يكون الّا بالافصح و الابلغ، فاذا وجد كل ذلك فى مصحف الامام فيحصل لنا العلم و لواجمالا بزيادة ما ليس من الله فى القرآن و كذلك ذهب كثير منهم الى عدم كون البسملة من القرآن، و من هنا لا يقرؤنها فى الصلوة، قال السيد الخوئى دام ظله فى البيان: (فالبسملة مثلا مما تسالم المسلمون على انّ النبى صلى الله عليه وآله وسلم قرؤها قبل كل سورة غير التوبة، و قد وقع الخلاف فى كونها من القرآن بل ذهبت المالكية الى كراهة الاتيان بها قبل قرائة الفاتحة فى الصلوة المفروضة) (البيان ص ۱۳۸).

ترجمہ: "ایک چیز باقی ہے کہ جس کا ذکر ہماری توجہ چاہتا ہے۔ وہ اینکہ یہ تفسیر، قدیم تفاسیر کی طرح، ایسی روایات پر مشتمل ہے جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو صحف ہمارے ہاتھوں میں ہے، یہ تحریف اور تغیّر سے سالم نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ان روایات کے ذکر میں مصنفؒ تنہا نہیں ہیں، بلکہ اس معاملے میں سنی اور شیعہ کے محدثین، متقدمین اور متاخرین میں سے اوروں نے بھی اس میں ان کی موافقت کی ہے۔ اہل سنت نے تو اس بارے میں (مستقل) کتابیں تصنیف کی ہیں، جیسے سجستانی نے "کتاب المصاحف" لکھی ہے اور (عبدالوہاب) شعرانی نے کہا ہے "اگر یہ بات نہ ہوتی کہ کمزور دلوں میں وسوسے اور تشویش پیدا ہوگی اور حکمت کی باتیں نااہل لوگوں کے سامنے پیش کرنا ممنوع نہ ہوتا تو میں وہ سب کچھ بیان کردیتا جو مصحف عثمان سے ساقط ہوا ہے۔

(الکبریت الاحمر علی ہامش الیواقیت والجواہر، صفحہ ۱۴۳)

اور آلوسی نے تحریف پر دلالت کرنے والی روایات کو بیان کرنے کے بعد اعتراف کیا ہے کہ "اس باب میں روایات شمار سے زیادہ (بے شمار) ہیں"۔ (روح المعانی جلد ۱، صفحہ ۲۴)

فخرالدین رازی نے اپنی تفسیر میں کہا ہے کہ "قدیم کتب میں منقول ہے کہ ابن مسعودؓ سورۃ فاتحہ کے قرآن میں سے ہونے کے منکر تھے، اسی طرح ابن مسعودؓ معوذتین کے قرآن میں سے ہونے کے منکر تھے"۔ (مفاتیح الغیب جلد ۱ صفحہ ۱۶۹)

سیوطی نے ابن عباسؓ اور ابن مسعودؓ سے نقل کیا ہے کہ وہ معوذتین کو مصحف سے مٹا دیتے تھے اور کہتے تھے کہ قرآن کو اس چیز سے مخلوط نہ کرو جو اس میں سے نہیں ہے، یہ دونوں سورتیں کتاب اللہ میں سے نہیں ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے تعوذ کا حکم دیا تھا۔ ابن مسعودؓ ان دونوں کی قرأت نہیں کرتے تھے"۔

(در منثور جلد ۶ صفحہ ۴۱۶)

صبحی صالحی نے لکھا ہے کہ "وہ بہت سی مختلف مشہور قرأتیں جن میں زائد الفاظ ہیں جنھیں رسم قرآن وغیرہ برداشت نہیں کرتی جیسے اَوصیٰ اور وَصیّٰ، تجری تحتھا اور من تحتھا، سیقولون اللّٰہ اور للّٰہ، وَمَا عَمِلَتْ ایدیھم اور ماعملتہ، چنانچہ ان کی کتابت اس کی قرأت کے اسلوب پر ہے۔ یہ سب مصحف امام میں موجود ہیں" (مباحث فی علوم القرآن صفحہ ۹۸) یہ ان کا اعتراف ہے کہ مصحفِ امام واضح طور پر زیادہ الفاظ پر مشتمل ہے۔ اس لئے کہ یہ بات بالکل واضح ہے کہ یہ سب قرأتیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل نہیں ہوئیں۔ بایں سبب کہ زیادہ فصیح وبلیغ ان میں سے اس مقام پر ایک ہی قرأت ہے، جبکہ خالق کا کلام زیادہ فصیح وبلیغ (الفاظ) میں ہی ہو سکتا ہے۔ جب یہ سب کچھ مصحفِ امام میں موجود ہے تب ہمیں اجمالی طور پر ہی سہی، یہ علم حاصل ہوتا ہے کہ جو قرآن میں نہیں تھا، وہ اس میں بڑھا دیا گیا ہے۔ اسی طرح ان (علماء اہل سنت) میں سے بہت سے بسم اللہ کو قرآن میں سے نہ ماننے کے قائل ہیں۔ اسی لئے اسے نماز میں نہیں پڑھتے۔ سید خوئیؒ نے البیان میں لکھا ہے کہ "بسم اللہ کے بارے میں مسلمانوں کا کوئی اختلاف نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر سورۃ کے ابتداء میں پڑھتے تھے سوائے سورہ توبہ کے۔ تاہم اس کے قرآن کا حصّہ ہونے میں اختلاف واقع ہوا ہے، بلکہ مالکیہ نے فرض نماز میں سورہ فاتحہ کی قرأت سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کو مکروہ کہا ہے"۔ (البیان ص ۴۳۸) (مقدمہ تفسیر قمی صفحہ ۲۲، ۲۳، طبع نجف)

منصف مزاج قارئین! غور فرمائیں کہ ہمارے استاذِ محترم علامہ طیب الجزائری مدظلہ العالی نے مقدمہ میں اہل سنت کے چند ایک جید اور محقق علماء متقدمین ومتاخرین کے اقوال، اعترافات اور روایات پیش کی ہیں۔ سلفی صاحب نے ان سے کیوں آنکھ چرائی؟ صاف بات یہ ہے کہ ان کا ذکر کرنے کے بعد شیعوں پر جھوٹا الزام اور بہتان تراشی ثابت کرنا ممکن نہیں تھا، نہ ہی انصاف پسند قارئین کو قائل کیا جا سکتا تھا، اس لئے سلفی صاحب نے صریح علمی خیانت کا گھناؤنا ارتکاب کرتے ہوئے سچ کو چھپانے اور جھوٹ پھیلانے کی مکروہ کوشش کی۔

ان "محقق" صاحب کو اتنا معلوم نہیں کہ علامہ طیب جزائری مدظلہ العالی ملک "الجزائر" شمالی افریقہ کے باشندے نہیں ہیں، بلکہ عراق کے ایک قصبے کا نام "الجزائر" ہے۔ یہ وہاں کے معروف عالم سید نعمت اللہ الجزائریؒ کے خاندان میں سے ہیں۔ علامہ طیب الجزائری کے بزرگوں میں سے ایک بزرگ عزم سفر باندھ کر ایران سے لکھنؤ تشریف لائے تھے۔ علامہ طیب جزائری نے ہندوستان کے شیعہ مدارس سے تعلیم حاصل کی ہے۔ اس کے بعد علامہ موصوف مزید حصولِ تعلیم کے لیے عراق نجفِ اشرف تشریف لے گئے۔ وہاں سے تعلیم مکمل کرنے کے بعد آپ واپس لکھنؤ آئے، بعد ازاں آپ کچھ عرصہ علامہ حائری کی جامع مسجد وسن پورہ لاہور میں خطابت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ پھر ایران چلے گئے ابھی تک بقید حیات ہیں اور قم مقدسہ میں رہائش پذیر ہیں، راقم السطور کو آپ سے شرفِ تلمذ حاصل ہے۔

یہ ہے جناب سلفی صاحب کی تحقیق کا نمونہ، جو اکابر علماء اہل سنت کو غیر محقق قرار دیتے ہیں کہ انھوں نے شیعہ پر کفر کا فتویٰ نہیں لگایا، کیونکہ سلفی صاحب کے بقول ان کے اکابر کا مطالعہ وتحقیق نہ تھی، بایں ہمہ سلفی صاحب اور ان کے ہمنواؤں کی یہ تحقیق کا حال ہے کہ الجزیرہ کو اٹھا کر الجزائر پہنچا دیا، جغرافیائی تحقیق کی طرح مذہبی

تحقیق بھی "اپنی مثال آپ" ہے۔ تونسوی صاحب کی ایسی ہی ناسمجھی اورغیر تحقیقی بات نقل کرکے اسے "تحقیق" کے لبادے میں پیش کرتے ہوئے پھولے نہیں سماتے کہ شیعہ کے ہاں دو ہزار سے زائد روایات قرآن کے محرف ومبدل ہونے پر صراحةً دال ہیں۔ علامہ آلوسی کے الفاظ پر "تحقیقی نظر" کیوں نہیں پڑتی کہ جو واشگاف الفاظ میں اعتراف کرتے ہیں کہ اہل سنت کے ہاں اس نوع کی روایات "شمار سے بھی زیادہ" یعنی بے شمار اور لا تعداد ہیں۔ شیعوں کی روایات تو آپ نے بڑی آسانی سے شمار کرڈالیں کہ جو دوہزار سے کچھ اوپر ہیں، لیکن آپ کی اپنی روایات اس باب میں بے شمار ہیں ان کا ذکر ہی مخفی کردینے کا سبق آپ کو کس خفیہ ایجنسی نے دیا ہے؟ یا ابلیس کو خوش کرنا مقصود ہے؟۔

آیئے! اب اس محولہ بالا عبارت کا اردو ترجمہ مع اصل عربی عبارت کے ملاحظہ فرمائیں کہ جس کا صرف ایک جملہ سلفی صاحب نے نقل کیا ہے۔ باقی عبارت کو اس لیے ہضم کرگئے کہ اگر پوری عبارت نقل کریں تو خدامی جھوٹا پروپیگنڈا ناکام ہوجائے گا اور عوام کو گمراہ کرنے کا فریضہ ادا نہیں ہوسکے گا۔ چنانچہ ہم حق پسند ومنصف مزاج قارئین کی رہنمائی وخیرخواہی کے لئے پوری بات نقل کیے دیتے ہیں۔

اما الخاصة فقد تسالموا على عدم الزيادة فى القرآن بل ادعى الاجماع عليه ،اما النقيصة فان ذهب جماعة من العلماء الامامية الى عدمها ايضًا انكروها غاية الانكار كالصدوق والسيد مرتضى وابي على الطبرسى فى (مجمع البيان) و الشيخ الطوسى فى (التبيان) و لكن الظاهر من كلمات غيرهم من العلماء و المحدثين المتقدمين منهم و المتأخرين القول بالنقيصة كالكليني و البرقى ،و العياشى و النعمانى ، و فرات بن ابراهيم ، و احمد بن ابي طالب الطبرسى صاحب الاحتجاج و المجلسى ، و السيد جزائرى ، و الحر العاملى و العلامة الفتونى و السيد البحرانى و قد تمسكوا فى اثبات مذهبهم بالآيات و الروايات التى لايمكن الاغماض عنها و الذى يهون الخطب ان التحريف اللازم على قولهم يسير جداً مخصوص بآيات الولاية فهو غير مغير للاحكام و لا للمفهوم الجامع الذى هو روح القرآن فهو ليس بتحريف فى الحقيقة فلا ينال لغير الشيعة ان يشنع عليهم من هذه الجهة : و تفصيل ذلك ان غيرهم الذى يمكن ان يورد عليهم فهو اما من جمهور المسلمين او اهل الكتاب كالنصارى و اليهود و كلاهما لا يقدران على ذلك اما جمهور المسلمين فلكون كتبهم مملوئة من الاخبار الدالة على التحريف الذى هو از يد بمراتب من التحريف المستفاد من روايات الامامية ، اذ هو عند اولئك بمعنى النقيصة و الزيادة و فى سائر مواضيع القرآن حتى قد روى عن (ابن) عمر انه قال: ① لايقولن احدكم قد اخذت القرآن كله اما يدر يه ما كله ؟قد ذهب منه قرآن كثير ، و لكن ليقل قد اخذت منه ما ظهر (الاتقان ۲-۲۰۲) ② و عنه ايضاً كنا نقرأ الولد للفراش و للعاهر الحجر فيما فقدنا من كتاب الله (الدر المنثور ۱-۱۰۶) ③ و ايضًا روى عنه : فكان فيما انزل عليه آية الرجم فرجم ورجمنا بعده (سنن ابن ماجة ص۱۴۱) ④ و عن ابي موسى الاشعرى انا كنا نقرأ سورة كنا نشبهها فى الطول و الشدة بالبرائة فانسيتها، غيرانى قد حفظت منها : لوكان لابن آدم و اديان من المال لابتغى واديا ثالثا ولا يملأ جوف ابن آدم التراب (صحيح مسلم ۳-۱۰۰) و مثله كثير مما يظهر منه القرآن عندهم من آيات الأحكام و السور كسورتى الخلع و الحفد (روح المعانى ص۲۴۱) و اين هذا من القول بان الساقط منه آيات تتعلق بالولاية فقط مع بقاء جميع آيات الأحكام و هذا هو النص فى ان الأئمة الطاهرين سلام الله عليهم اجمعين امروا بالتشبث بالقرآن الكريم وامروا بارجاع الاحاديث المشكوكة على القرآن و الأخذ بما و افقه ورد ماخالفه وانما هو نص واضح على ان التحريف والتغير لم يقع فيها وما وقع منه يسيراً فانما هو بالنسبة الى الآيات الراجعة الى آل بيت النبى صلوات الله عليهم مع بقاء كثيرة منها على حالها لم تحرف مع

کفایتھا فی مقام استعلام فضائلھم مع احتمال کون الساقط من قبیل الشرح لا المتن کما ذھب الیہ الکاشانیؒ

ترجمہ: "رہا ہم شیعہ کا موقف، تو یہ سب کے سب قرآن میں زیادتی یعنی اضافہ نہ ہونے پر متفق ہیں بلکہ اس پر اجماع کا دعوی کیا گیا ہے اور رہی قرآن میں کمی، تو علماء امامیہ کی ایک جماعت کمی نہ ہونے کا عقیدہ رکھتی ہے اور انہوں نے اس کا سختی سے انکار کیا ہے، جیسے شیخ صدوقؒ، سید مرتضیٰؒ، ابوعلی طبرسیؒ نے مجمع البیان میں اور شیخ طوسیؒ نے "التبیان" میں۔ لیکن ان کے علاوہ متقدمین محدثین اور متاخرین کے کلمات سے کمی کا قول ظاہر ہوتا ہے، جیسے کلینی، برقی، عیاشی، نعمانی، فرات بن ابراہیم، احمد بن ابی طالب طبرسی صاحب احتجاج، مجلسی، سید جزائری، حر عاملی، علامہ فتونی اور سید بحرانی۔ ان حضرات نے اپنے موقف کے اثبات میں ان آیات اور روایات سے تمسک کیا ہے، جن سے اغماض ممکن نہیں ہے۔ جو چیز اس بات کو ہلکا بنا دیتی ہے، وہ یہ ہے کہ ان کے قول کے مطابق لازم آنے والی تحریف بہت تھوڑی ہے جو آیاتِ ولایت سے مخصوص ہے، سو یہ احکام میں تغیّر پیدا نہیں کرتی نہ ہی اس جامع مفہوم کو بدلتی ہے جو قرآن کی روح ہے، چنانچہ یہ درحقیقت تحریف نہیں ہے۔ تب غیر شیعہ کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس لحاظ سے شیعہ کی مذمت کریں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ شیعوں کے علاوہ جن لوگوں کی طرف سے شیعوں پر اعتراض ہوسکتا ہے، وہ یا تو جمہور مُسلمان ہیں یا اہل کتاب یہود و نصاریٰ ہیں۔ حالانکہ یہ دونوں گروہ یہ اعتراض ثابت کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ جمہور مُسلمان اس لئے کہ ان کی اپنی کتابیں تحریف پر دلالت کرنے والی روایات سے بھری پڑی ہیں جو ان روایاتِ شیعہ سے کئی درجہ زیادہ ہیں جن سے تحریف کا مفہوم نکلتا ہے۔ اس لئے کہ ان جمہور مُسلمانوں کی یہ روایات کمی و زیادتی کے معنیٰ میں ہیں بلکہ تمام قرآنی موضوعات میں کمی و زیادتی پر دلالت کرتی ہیں، یہاں تک کہ (ابن) عمرؓ سے مروی ہے، انھوں نے کہا

① تم میں سے کوئی یہ نہ کہے کہ میں نے پورا قرآن پا لیا ہے، اسے کیا معلوم کہ پورا قرآن کیا ہے؟ اس میں سے بہت سا قرآن ضائع ہوگیا ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ جو مل سکا وہ قرآن میں نے پا لیا ہے۔ (الاتقان جلد ۲، صفحہ ۴۰)

② ابن عمرؓ سے ہی یہ بھی مروی ہے کہ ہم یہ قرأت کیا کرتے تھے "الولد للفراش وللعاھر الحجر" یہ الفاظ بھی ان ہی میں سے ہیں جو اللہ کی کتاب سے مفقود ہیں۔ (الدر منثور جلد ا، صفحہ ۱۰۶)

③ ان ہی سے یہ بھی مروی ہے کہ جو کچھ آپ ﷺ نازل ہوا تھا اس میں سے آیت رجم بھی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے رجم کیا اور ان کے بعد ہم نے بھی رجم کیا۔ (سنن ابن ماجہ صفحہ ۱۴۱)

④ ابو موسی اشعریؓ سے مروی ہے کہ ہم ایک سورت پڑھا کرتے تھے جسے ہم طول اور شدت میں سورہ برائت کے مشابہ جانتے تھے پھر وہ مجھے بھول گئی لیکن اس میں سے صرف اتنا یاد رہا لوکان لابن آدم وادیان من المال لاتبغیٰ وادیاً ثالثاً و لا یملأجوف ابن آدم الا تراب۔ (صحیح مسلم جلد ۳، صفحہ ۱۰۰)

اس طرح کی کثیر روایات ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا کہ اہل سنت کے نزدیک بہت سا قرآن ضائع ہوگیا ہے۔ اس میں آیاتِ احکام بھی ہیں اور وہ سورتیں ہیں جیسے خلع اور حفد کی سورتیں۔

(روح المعانی جلد ا، صفحہ ۲۴)

کہاں یہ کمی اور کہاں شیعوں کا وہ قول کہ ساقط صرف وہ آیات ہیں جو صرف ولایت سے تعلّق رکھتی ہیں جبکہ باقی سب آیاتِ احکام محفوظ ہیں۔

یہی وہ راز ہے جس کی بنا پر ائمہ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین نے قرآن کریم سے تعلّق قائم کرنے کا حکم فرمایا ہے اور مشکوک احادیث کو قرآن کی طرف لوٹانے کا فرمان دیا ہے اور فرمایا ہے کہ جو اس قرآن کے موافق ہو، اسے لے لو اور جو اس سے خلاف ہو، اسے ٹھکرا دو۔ یہ واضح نص ہے اس امر پر کہ قرآن کریم میں تحریف و تغیّر واقع نہیں ہوا اور جو بقدر یسیر واقع ہوا ہو، وہ ان آیات سے متعلّق ہے جو اہل بیت نبی صلوات اللہ علیہم سے تعلّق رکھتی ہیں، باوجودیکہ ان میں سے بہت سی آیات محرف نہیں ہوسکیں، جو کہ ان حضرات علیہم السلام کے فضائل بیان کرنے کے لئے کافی ہوجاتی ہیں

جبکہ یہ احتمال اپنی جگہ ہے کہ جو حصہ ساقط ہوا ہے وہ شرح (تفسیری) ہے نہ کہ قرآن کریم کا متن، جیسا کہ کاشانی ؒ نے یہی موقف اختیار کیا ہے"۔ (مقدمہ تفسیر قمی صفحہ ۲۳ تا ۲۵، طبع نجف)

اس کے بعد صاحبِ مقدمہ نے اہل کتاب یہود و نصاریٰ کی تردید کی ہے اور بعد ازاں آخری پیرے میں پوری بحث کا خلاصہ ان الفاظ میں درج کیا ہے، جس کی اصل عبارت مع ترجمہ پیشِ خدمت ہے:

و هذا بخلاف القرآن الحكيم فانه كان مكتوبا مدونا فى زمان الرسول صلى الله عليه وآله سلم عند اميرالمؤمنين عليه السلام على قول او كان مكتوبا متفرقا على الواح وعسب والفه الخلفاء على قول آخر مع اجماع الفريقين على ان ما بين الدفتين كله من الله تعالى فهو باق على اعجازه منزه عن الدخل فى حقيقه ومجازه لا يأتيه الباطل من بين يديه ولا من خلفه، متحدّ على اعلانه القويم القديم، قل لئن اجتمعت الانس والجن على ان يأتوا بمثل هذا القرآن لا يأتون بمثله ولوكان بعضهم لبعض ظهيرا

ترجمہ: اس کے برعکس قرآن کریم ایک قول کے مطابق لکھا ہوا، تدوین شدہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام کے پاس تھا، یا متفرق طور پر الواح اور کھجور کے پتوں پر لکھا ہوا تھا اور دوسرے قول کے مطابق اسے خلفاء نے جمع کیا، بایں ہمہ فریقین کا اجماع ہے کہ جو کچھ بین الدفتین ہے وہ تمام تر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ وہ اپنے معجزہ کی حیثیت سے باقی ہے اور اپنی حقیقت اور مجاز کے لحاظ سے بیرونی مداخلت سے بالکل منزہ ہے۔ لایاتیه الباطل من بين يديه ولا من خلفه، اپنے قدیم اور قویم اعلان کو دہرا رہا ہے۔ قل لئن اجتمعت الانس والجن على ان يأتوا بمثل هذا القرآن لا يأتون بمثله ولوكان بعضهم لبعض ظهيراً۔ (مقدمہ تفسیر قمی صفحہ ۲۶)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ علامہ طیب جزائری مدظلہ بتانا یہ چاہتے ہیں کہ قرآن مجید کے متعلق بظاہر تغیر و تبدل کی روایات فریقین کے ہاں پائی جاتی ہیں ان روایات کو تحریف پر حمل کرنا چنداں مناسب نہیں ہے۔ اہل سنت کے ہاں بکثرت پائی جانے والی مبنی بر تحریف روایات پر سرسری نظر کی جائے تو واضح طور پر تحریف ثابت ہو جاتی ہے۔ ان روایات کو نسخ یا اختلافِ قرائت پر حمل نہیں کیا جا سکتا۔ علماء تشیع تحریف کے ہرگز قائل نہیں ہیں۔ علم کلام کی کتب اس پر شاہد ہیں۔ بایں ہمہ یہ دعویٰ کرنا کہ تفسیر قمی کے مقدمے میں یہ لکھا ہے کہ:

"یہ سب علماء شیعہ (جن کے نام لیے گئے ہیں) تحریف قرآن کے قائل تھے" محض کذب و افتراء پر مبنی ہے، تفسیر قمی کی پوری عبارت میں کہیں نہیں لکھا کہ یہ سب عقیدہ تحریف قرآن رکھتے تھے، بلکہ علامہ جزائری کے اصل الفاظ یہ ہیں: "لكن الظاهر من كلمات غيرهم" ان کے کلام (نقل کردہ روایات) سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ کچھ ساقط ہوا ہے، علامہ موصوف اس کی وضاحت صفحہ ۲۵ پر یوں کرتے ہیں: "كون الساقط من قبيل الشرح لا المتن" کہ ساقط ہونے والا حصہ وہ تفسیری و تشریحی نوٹس تھے جنہیں آیاتِ ولایت سے گرا دیا گیا ہے۔ البتہ کتب اہل سنت کی ورق گردانی کی جائے تو واضح الفاظ میں پتا چلتا ہے کہ قرآن مجید میں سے کچھ کلمات کو حذف کر دیا گیا جبکہ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مصاحف میں موجود تھے، وہ ان کلمات کو اپنی قرائت میں پڑھا کرتے تھے۔ مثال کے طور پر آیت تبلیغ کو ہی لے لیجئے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ یہ آیت اس طرح پڑھا کرتے تھے: "ياايها الرسول بلغ ما انزل اليك من ربك ان عليا مولى المؤمنين فان لم تفعل فما بلغت رسالته" الخ (تفسیر در منثور جلد ۲ صفحہ ۲۹۸، مطبعہ میمنیہ مصر ۱۳۱۴ھ، فتح القدیر للشوکانی، جلد ۲، صفحہ ۵۷، طبع مصطفی البابی مصر ۱۳۶۰ھ)

اس آیت مبارکہ میں وارد الفاظ: "ان عليا مولى المؤمنين" بظاہر آیت قرآنی کا حصہ دکھائی دیتے ہیں۔ اسی طرح آیت نکاحِ متعہ میں "الى اجل مسمى" کے الفاظ صحابہ کرام کے مصاحف میں موجود تھے، جیسا کہ حبر الامہ حضرت ابن عباسؓ کے قرآن میں یہ کلمات تھے، چنانچہ مستدرک للحاکم نیشاپوری میں ہے کہ

حضرت عبداللہ بن عباس سورہ نساء کی آیت: "فما استمتعتم به منهن" کو "الی اجل مسمی" کے الفاظ کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ ان سے اس بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: "لانزلها الله تعالی كذالك يقينا"۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو اسی طرح اتارا تھا۔ امام حاکم نے نقل کرنے کے بعد اس روایت کے بارے میں بالتصریح لکھا ہے: هذا حديث صحيح على شرط مسلم و لم يخرجاه۔ یہ حدیث مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے

(مستدرك مع التلخيص للذهبی، جلد ۲، صفحه ۳۰۵ طبع حیدر آباد، دکن)

مزید اسی بات کو ابوحیان اندلسی نے اس طرح لکھا ہے:
وقال ابن عباس لابی نضرة هكذا انزلها الله۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت متعہ کو اسی طرح منهن الی اجل مسمی...... نازل فرمایا ہے (تفسیر البحر المحیط، جلد ۳، صفحہ ۲۱۸، مطبعہ السعادۃ مصر ۱۳۲۹ھ)

اس صحیح السند روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے الی اجل مسمی کے الفاظ نازل فرمائے تھے، جو آج موجود نہیں ہیں۔ لیکن انھیں تفسیری وتشریحی کلمات پر حمل کیا گیا ہے اس وجہ سے قرآن میں یہ الفاظ نہیں پائے جاتے۔ اسی روایت کو دیکھتے ہوئے اگر کوئی مسلمان ان الفاظ کو قرآن کا حصہ سمجھ لے تو اسے دائرہ اسلام سے خارج کرنا کہاں کا انصاف ہے۔ مزید برآں علامہ موصوف فرماتے ہیں کہ اسی موجودہ، بین الدفتین قرآن مجید پر فریقین کا اجماع ہے کہ یہ ہر قسم کی تحریف سے محفوظ و مصئون ہے۔

(جاری ہے)

> **فرمانِ امیر المومنین علیہ السلام**
>
> حضرت امیرالمومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام نے فرمایا: مَا مِنْ مُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ يَضَعُ يَدَهٗ عَلٰى رَأْسِ يَتِيْمٍ اِلَّا كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ بِكُلِّ شَعْرٍ مَرَّتْ يَدُهٗ عَلَيْهَا حَسَنَةً۔
>
> کوئی بھی مومن مرد یا عورت جب اپنا ہاتھ یتیم کے سر پر رکھتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے لیے ہر بال کے بدلے ایک نیکی لکھ دیتا ہے۔ (میزان الحکمۃ ۲۲۵۸۰)

بقیہ: روزہ کے اسرار واغراض اور حقیقت

جاتے ہوں گے؟ اس قسم کے جلیل و جمیل لوگ صرف مذہب کے سانچے ہی میں ڈھل سکتے ہیں۔ اس کے بعد ان کو گیارہ مہینہ کے لیے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ تاکہ اس یکماہہ تربیت کے آثار ظاہر ہوں اور اگر پھر بھی کچھ کمی رہ جائے تو آئندہ سال اسے پورا کیا جائے۔ (جل الخالق)

روزہ رکھنے کی فضیلت

روزہ کی فضیلت میں احادیث مستفیضہ وارد ہیں:

① جناب زرارہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: "بنی الاسلام علی خمسة اشياء على الصلوة و الزكوة و الحج و الصوم و الولاية"۔ "اسلام کی بنیاد پانچ ستونوں پر رکھی گئی ہے اور وہ پانچ ستون یہ ہیں: نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور ولایت اہل بیتؑ"۔

جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ خدا فرماتا ہے: "الصوم لی و انا اجازی علیه"۔ "روزہ خاص میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا"۔ (فقیہ وکافی)

③ حضرت صادق آلِ محمد علیہ السلام فرماتے ہیں: "نوم الصائم عبادة و صمته تسبيح و عمله متقبل و دعائه مستجاب"۔ روزہ دار کی نیند عبادت، اس کی خاموشی تسبیح، اس کا عمل مقبول اور اس کی دعا مستجاب ہے۔ (فقیہ)

ترکِ روزہ کی مذمت

فرماتے ہیں: "الصوم جُنّة من النار"۔ "روزہ جہنم سے بچنے کی ڈھال ہے"۔

باب المتفرقات

مولائے کائنات علیؑ کی شہادت

حجۃ الاسلام مولانا
مفتی جعفر حسین صاحب قبلہ
اعلی اللہ مقامہ

۴۰ھ میں جنگ نہروان کے چند بچے کھچے خوارج نے مکہ میں اجتماع کیا اور نہروان کے کشتوں پر اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے بھائی بندوں کے خون کی ذمہ داری علی معاویہ اور عمرو بن عاص پر عائد ہوتی ہے۔ لہٰذا ان تینوں کو قتل کر کے ہمیں اپنے کشتوں کا انتقام لینا چاہیے۔ ان خوارج کی رگوں میں انتقامی خون تو کھول ہی رہا تھا، سب نے اس پر اتفاق کیا اور برک بن عبداللہ صریحی نے معاویہ کو عمرو بن بکر تمیمی نے عمرو بن عاص کو اور عبدالرحمٰن بن ملجم نے حضرت علی کو قتل کرنے کا بیڑا اٹھایا اور یہ طے کیا کہ ایک ہی دن اور ایک ہی وقت حملہ ہونا چاہیے تاکہ ان میں سے ایک کو دوسرے کی خبر نہ ہونے پائے ورنہ ایک کے قتل کی خبر دوسروں کو چوکنا و ہوشیار کر دے گی اور وہ حفاظتی تدابیر عمل میں لا کر اس تجویز کو ناکام بنا دیں گے۔ چنانچہ دن اور وقت کی تعیین کر کے برک بن عبداللہ دمشق کی طرف، عمرو بن بکر مصر کی طرف اور عبدالرحمٰن بن ملجم کوفہ کی طرف چل دیا۔

اس خطرناک کام کے لیے ماہ رمضان کی انیسویں شب اور نماز صبح کا وقت مقرر کیا گیا تھا۔ چنانچہ برک بن عبداللہ مقررہ تاریخ پر جامع دمشق آیا، اور جب صبح کی جماعت کھڑی ہوئی تو وہ پہلی صف میں معاویہ کے عقب میں کھڑا ہو گیا۔ جب معاویہ رکوع کے لیے جھکے تو اس نے تلوار کا وار کیا، جو ان کے عقبی حصہ پر پڑا، گھاؤ معمولی تھا، چند دنوں میں بھر گیا اور حملہ آور کو گرفتار کر لیا گیا۔

عمرو بن بکر انیسویں شب کو جامع مصر میں آ کر ٹھہرا، تاکہ صبح کی نماز میں ابن عاص کو قتل کرے۔ مگر اتفاق ایسا ہوا کہ عمرو بن عاص قولنج کے عارضہ میں مبتلا ہو گیا اور اس نے اپنی جگہ خارجہ بن حذافہ سہمی کو نماز پڑھانے کے لیے بھیج دیا۔ عمرو بن بکر اندھیرے میں پہچان نہ سکا۔ اور اس نے خارجہ کو عمرو بن عاص سمجھ کر قتل کر دیا۔ لوگوں نے اسے پکڑ لیا اور جکڑ باندھ کر عمرو بن عاص کے پاس لائے۔ جب اسے معلوم ہوا کہ ابن عاص کے بجائے خارجہ اس کے ہاتھ سے قتل ہوا ہے، تو اسے اپنی ناکامی پر افسوس ہوا۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا جو ہونا تھا وہ ہو چکا تھا۔ عمرو بن عاص نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ تم نے مجھے قتل کرنا چاہا تھا۔ مگر تیر قضا کا رُخ خارجہ کی طرف مڑ گیا اور تم اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔ پھر خارجہ کے خون کے عوض اسے قتل کر دیا گیا۔

عبدالرحمٰن بن ملجم آخر ماہ شعبان میں کوفہ آیا اور محلہ بنی کندہ میں خوارج کے ہاں قیام کیا۔ مگر کسی کو اپنے خطرناک ارادہ سے آگاہ کرنا مناسب نہ سمجھا اور نہ اپنے طرز عمل سے اپنے موقف کو مشکوک ہونے دیا۔ اس اثناء میں اس کی ملاقات ایک خارجیہ عورت قطام بنت اخضر تیمیہ سے ہوئی، وہ اسے دیکھتے ہی فریفتہ ہو گیا اور جب اسے یہ معلوم ہوا کہ وہ بے شوہر کے ہے تو اس سے نکاح کی خواہش کی۔ قطام کا باپ اور بھائی جنگ نہروان میں مارے گئے تھے اور وہ حضرت علیؑ سے انتقام لینا چاہتی تھی۔ مگر کامیابی کی کوئی صورت نظر نہ آتی

تھی۔ اس خواستگاری سے اس کے دل میں انتقام کی افسردہ آگ پھر سے بھڑک اٹھی اور اسے کامیابی کی جھلک نظر آنے لگی۔ چنانچہ اس نے کہا کہ میں راضی ہوں، مگر میرا مہر تین ہزار درہم ایک غلام ایک کنیز اور علی بن ابی طالبؑ کا قتل ہے۔ ابن ملجم اس جرم کے ارتکاب پر تلا ہوا تھا۔ ایک تو وہ اسی مقصد سے آیا تھا اور دوسرے اس مقصد کے پیچھے ایک اور قوی محرک کارفرما ہو چکا تھا۔ مگر بظاہر اس پر حیرت واستعجاب کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا کہ علی کو قتل کرنا آسان کام نہیں ہے۔ قطام نے کہا کہ تم اچانک حملہ کر کے ان کا کام تمام کر سکتے ہو۔ اگر تم کامیاب ہو گئے تو بہتر ورنہ وہ ثواب آخرت تو کہیں نہیں گیا جس کے تم بہر حال مستحق ہو گے۔ ابن ملجم نے جب دیکھا کہ قطام اس کے خیالات ونظریات سے پوری طرح ہم آہنگ ہے تو کہا کہ میں اسی ارادہ سے یہاں آیا ہوں اور علیؑ کو قتل کر کے نہروان کے کشتوں کا انتقام لینا چاہتا ہوں۔ قطام نے کہا کہ پھر ہمت وجرأت سے کام لو اور میں اپنے قبیلہ کے قابل اعتماد لوگوں سے کہوں گی کہ وہ اس سلسلہ میں تمہاری مدد کریں۔ چنانچہ اس نے وردان بن مجالد کو اس کی مدد کے لیے آمادہ کیا اور ابن ملجم نے شبیب بن بجرہ اشجعی کو اپنا معاون اور اشعث بن قیس کو اپنا ہمراز بنا لیا اور حملہ کے لیے دن اور وقت کا انتظار کرنے لگا۔

امیرالمومنینؑ اس ماہ رمضان میں باری باری اپنی اولاد اور عبداللہ بن جعفر کے ہاں روزہ افطار فرماتے، غذا بہت کم ہو چکی تھی، چند لقموں پر اکتفاء کرتے اور پوچھا جاتا تو فرماتے: احب ان یاتینی امر اللہ وانا خمیص

(تاریخ کامل جلد ۳ صفحہ ۱۹۵)

"میں چاہتا ہوں کہ جب میری موت آئے تو میں خالی شکم ہوں"۔

انیسویں شب کو حضرت اپنی دختر جناب ام کلثومؑ کے ہاں تشریف فرما تھے، انھوں نے جو کی دو روٹیاں ایک پیالہ دودھ کا اور ایک طشتری میں نمک رکھ کر پیش کیا۔ آپؑ نے اس کھانے کو دیکھا تو فرمایا کہ: "میں نے رسول اللہؐ کی پیروی میں کبھی گوارا نہیں کیا کہ ایک وقت میں دسترخوان پر دو قسم کی چیزیں ہوں۔ اے بیٹی دنیا کے حلال میں حساب ہے اور حرام میں عقاب۔ کیا تم یہ چاہتی ہو کہ تمہارا باپ دیر تک موقف حساب میں کھڑا رہے۔ ان دونوں چیزوں میں سے ایک چیز اٹھا لو"۔

جناب ام کلثومؑ نے دودھ کا پیالہ اٹھا لیا، اور آپ نے چند لقمے نمک کے ساتھ تناول فرمائے۔ کھانے سے فارغ ہو کر حسب معمول مصلائے عبادت پر کھڑے ہو گئے۔ مگر آج بار بار صحن میں نکلتے، آسمان پر نظر کرتے اور ڈوبتے اور جھلملاتے ہوئے ستاروں کو دیکھتے اور فرماتے:

واللہ ماکذبت ولا کذبت وانہا اللیلۃ التی وعدت بہا

(صواعق محرقہ صفحہ ۱۳۴)

"خدا کی قسم میں جھوٹ نہیں کہتا اور نہ مجھے غلط بتایا گیا ہے، یہی وہ رات ہے جس کا مجھ سے وعدہ کیا گیا ہے"۔

آپ کرب واضطراب کی حالت میں کبھی سورۃ یٰسین کی تلاوت کرتے، کبھی انا للہ وانا الیہ راجعون اور کبھی لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم پڑھتے اور کبھی کہتے: اللھم بارك لی فی الموت۔ "خدایا موت کو میرے لیے بابرکت قرار دے"۔

ام کلثومؑ نے یہ کیفیت دیکھی تو عرض کیا کہ بابا آج آپ اتنے پریشان حال کیوں ہیں۔ فرمایا کہ بیٹی آخرت کی منزل درپیش ہے اور میں اللہ کی بارگاہ میں جانے والا ہوں۔ ام کلثومؑ نے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا کہ: بابا آج

آپ مسجد میں تشریف نہ لے جائیں۔ جعدہ بن ہبیرہ موجود ہیں، انھیں حکم دیجیے کہ وہ نماز پڑھا دیں۔ فرمایا: لا مفر من قضاء الله ۔ "قضائے الٰہی سے بچ نکلنے کی کوئی صورت نہیں ہے"۔

ابھی کچھ رات باقی تھی کہ ابن ثباج مؤذن نے حاضر ہو کر نماز کے لیے عرض کیا۔ حضرت مسجد کے ارادہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ جب صحن خانہ میں آئے تو گھر میں پلی ہوئی بطوں نے پر پھڑپھڑائے اور چیخنے چلانے لگیں۔ کسی نے ان بطوں کو ہٹانا چاہا تو فرمایا کہ انھیں ان کے حال پر چھوڑ دو، ابھی کچھ دیر کے بعد نوحہ و بکا اور نالہ و شیون کی آوازیں بلند ہوں گی۔ امام حسنؑ یا ام کلثومؑ نے عرض کیا کہ بابا آج آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ فرمایا کلمہ حق تھا جو میری زبان پر جاری ہو گیا ہے۔ پھر حضرتؑ نے ام کلثومؑ سے فرمایا کہ بیٹی یہ بے زبان جانور ہیں، ان کے آب و دانہ کا خیال رکھنا اور اگر ایسا نہ کر سکو تو انھیں رہا کر دینا، تاکہ یہ زمین میں چل پھر کر اپنا پیٹ پال سکیں۔

جب دروازہ کے قریب پہنچے تو پٹکا کمر میں کس کر باندھا اور احیحہ انصاری کے یہ دو شعر پڑھے:

اشدد حیا زیمک للموت
فان الموت لاقیکا

موت کے لیے کمر کس لو اس لیے کہ موت تمھارے سامنے آنے والی ہے۔

و لا تجزع من الموت
اذا حل بوادیکا

جب موت تمھارے ہاں ڈیرے ڈالے تو اس پر بیتابی کا مظاہرہ نہ کرو۔

ام کلثومؑ نے آنسو بہاتے ہوئے باپ کو الوداع کہا۔

امام حسنؑ نے چاہا کہ مسجد تک حضرتؑ کے ہمرکاب جائیں۔ مگر آپ نے منع کر دیا۔ جب مسجد میں تشریف لائے تو مسجد تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ آپ نے اندھیرے میں چند رکعات نماز پڑھی اور تعقیبات سے فارغ ہوئے تو خونریز سحر نمودار ہو چکی تھی۔ آپؑ گلدستہ اذان پر تشریف لے گئے اور صبح کی اذان دی، یہ آپ کی آخری اذان تھی جو مسجد سے بلند ہوئی اور کوفہ کے ہر گھر میں سنی گئی۔ اذان کے بعد الصّلوٰۃ الصّلوٰۃ کہہ کر لوگوں کو نماز صبح کے لیے بیدار کرنے لگے۔ انہی لوگوں میں ابن ملجم بھی تھا۔ آپ نے اسے اوندھا لیٹے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ یہ شیطان کے سونے کا انداز ہے، داہنی کروٹ سو، جو مومنین کا شعار ہے، یا بائیں کروٹ لیٹ جو حکماء کا طریقہ ہے، یا پیٹھ کے بل سو جو انبیاء کا طرزِ عمل ہے۔ اٹھ نماز پڑھ، اگرچہ میں جانتا ہوں کہ تو کس ارادہ سے آیا ہے اور کیا چیز زیر دامن چھپائے ہوئے ہے۔

حضرتؑ لوگوں کو بیدار کرنے کے بعد محرابِ عبادت میں کھڑے ہو گئے اور جب نافلہ صبح کی پہلی رکعت کے سجدہ سے سر اٹھایا تو شبیب بن بجرہ نے تلوار سے حملہ کیا۔ مگر تلوار ستون مسجد سے ٹکرائی اور اس کا وار ناکام رہا۔ پھر ابن ملجم نے زہر میں بجھی ہوئی تلوار سر پر ماری، جس سے فرق مبارک شگافتہ ہو گیا۔ آپؑ نے بے ساختہ فرمایا: بسم الله و علیٰ ملة رسول الله فزت و ربّ الکعبة ۔ "رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا ہوں۔ لوگو! مجھے یہودیہ کے بیٹے ابن ملجم نے قتل کر ڈالا ہے"۔

امام بمنزلہ روحِ کائنات اور جانِ عالم ہوتا ہے۔ جب جان پر بنتی ہے تو اعضاء متاثر و مضمحل ہوئے بغیر نہیں رہتے۔ چنانچہ اس موقع پر آسمان کانپا زمین لرزی مسجد کے دروازے آپس میں ٹکرائے اور زمین و آسمان کے درمیان یہ

آواز گونجی:

تھدمت و اللہ ارکان الھدی قتل ابن عم مصطفی قتل الوصی المجتبی قتل علی المرتضی

"خدا کی قسم رکن ہدایت گر گئے، ابن عم رسول قتل کر دیے گئے، وصی پیغمبر مارے گئے، علی مرتضیٰ شہید کر دیے گئے"۔

اس آواز نے کوفہ کی آبادی کو لرزا دیا۔ تمام شہر کانپ اٹھا۔ لوگ جوق در جوق گھروں سے باہر نکل آئے۔ امام حسنؑ اور امام حسینؑ علیہما السلام سراسیمہ و پریشان حال مسجد کی طرف دوڑے، جہاں لوگ پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے اور چیخ چیخ کر کہہ رہے تھے کہ امیرالمومنینؑ شہید کر دیے گئے۔ فرزندان رسولؐ نے آگے بڑھ کر دیکھا کہ محراب مسجد لہو سے تر ہے اور حضرت خاک و خون میں پڑے لوٹ رہے ہیں اور مٹی اٹھا اٹھا کر فرق مبارک پر ڈالتے اور اس آیت کی تلاوت فرماتے جاتے ہیں:

مِنۡهَا خَلَقۡنٰكُمۡ وَ فِيۡهَا نُعِيۡدُكُمۡ وَ مِنۡهَا نُخۡرِجُكُمۡ تَارَةً اُخۡرٰى

"ہم نے تمھیں زمین سے پیدا کیا اور زمین کی طرف پلٹائیں گے اور اسی سے دوبارہ نکالیں گے"۔

امیرالمومنینؑ کے چہرہ و سر کو خون میں رنگین دیکھ کر امام حسنؑ نے گلوگیر آواز میں کہا کہ بابا آپ کا خون کس نے بہایا ہے۔ حضرت نے سر اٹھا کر حسنؑ کو دیکھا اور فرمایا: بیٹا پہلے نماز ادا کرو۔ چنانچہ امام حسنؑ نے نماز پڑھائی اور خود حضرتؑ نے بیٹھ کر نماز ادا کی۔ نماز سے فارغ ہو کر حضرت کو محرابِ مسجد سے صحن میں لایا گیا۔ اس متوحش خبر کو سن کر لوگ سمٹ کر مسجد میں جمع ہو چکے تھے۔ ہر چشم اشکبار اور ہر دل غم سے فگار تھا۔ امام حسنؑ نے قاتل کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا: مجھے ابن ملجم مرادی نے قتل کیا ہے اور باب کندہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ ابھی اس دروازہ سے اسے لایا چاہتے ہیں۔ اتنے میں باب کندہ کی طرف سے شور اٹھا اور ابن ملجم گرفتار کر کے لایا گیا۔ مجمع غم و غصہ سے بے قابو ہو رہا تھا۔ آنکھوں سے غیظ و غضب کی چنگاریاں نکل رہی تھیں اور ہر شخص اس پر لعنت بھیج رہا تھا۔ جب اسے امام حسنؑ کے سامنے لایا گیا تو آپؑ نے اس سے کہا کہ: اے بدبخت ولعین تو نے امیرالمومنین کو قتل کر دیا ہے۔ کیا یہ ان احسانات کا بدلہ ہے جو انھوں نے ہمیشہ تم پر کیے۔ ابن ملجم سر جھکائے خاموش کھڑا رہا، اور کسی بات کا جواب نہ دیا۔ امیرالمومنینؑ نے غشی سے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا اور فرمایا کہ اے ابن ملجم کیا میں تیرا اچھا امام نہ تھا اور کیا میرے احسانات بھلا دیے جانے کے قابل تھے؟ اس پر ابن ملجم نے کہا: اَفَاَنۡتَ تُنۡقِذُ مَنۡ فِى النَّارِ۔ کیا آپ اسے چھڑائیں گے جو دوزخ کا سامان کر چکا ہو۔ اس کے بعد آپؑ نے امام حسنؑ کی طرف رُخ کیا اور فرمایا کہ: اے فرزند! اگر میں زندہ بچ رہا تو مجھے اِختیار ہوگا کہ اسے سزا دوں یا معاف کر دوں اور اگر اس ضربت کے نتیجہ میں چل بسا تو تم اسے قصاصاً قتل کر دینا، اور ایک ضربت کے بدلے ایک ضربت لگانا اور قتل کے بعد اس کے ہاتھ پیر نہ کاٹنا۔ کیونکہ میں نے رسول خداؐ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: ایاکم والمثلة ولو بالکلب العقور۔ "خبردار کسی کو مثلہ نہ کرنا، اگرچہ کاٹنے والا کتا ہی کیوں نہ ہو"۔ اور اس کے ایام اسیری میں جو خود کھانا وہ اسے کھانے کے لیے دینا، اور جو خود پینا وہ اسے پینے کے لیے دینا۔

اب لوگ حضرتؑ کو ہاتھوں پر اٹھا کر گھر میں لائے۔ گھر کے اندر اور گھر کے باہر کہرام بپا تھا، امام حسنؑ گریہ و زاری کی آوازیں سن کر باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ اے لوگو! امیرالمومنینؑ فرماتے ہیں کہ: تم اپنے اپنے گھروں کو واپس جاؤ۔ اصبغ بن نباتہ کہتے ہیں کہ لوگ منتشر ہو گئے۔ مگر

میرے دل نے گوارا نہ کیا کہ میں حضرتؑ کو دیکھے بغیر واپس جاؤں، وہیں پر کھڑا رہا، اور جب امام حسنؑ دوبارہ باہر نکلے تو میں نے عرض کیا کہ فرزند رسولؐ میں امیرالمومنینؑ کو دیکھے بغیر جانا نہیں چاہتا۔ مجھے ایک نظر دیکھنے کی اجازت دی جائے۔ امام حسنؑ اندر تشریف لے گئے اور کچھ دیر کے بعد باہر نکلے اور مجھے اپنے ہمراہ اندر لے گئے۔ میں نے دیکھا کہ حضرتؑ کے سر پر زرد رنگ کی پٹی بندھی ہوئی اور چہرے پر زردی چھائی ہوئی ہے۔ میں پٹی اور چہرے کی رنگت میں تمیز نہ کر سکا اور بے ساختہ رونے لگا۔ حضرتؑ نے مجھے روتے دیکھا تو فرمایا کہ: اے اصبغ روؤ نہیں۔ میں جنت کی طرف جا رہا ہوں۔ میں نے کہا کہ: یاامیرالمومنینؑ مجھے معلوم ہے کہ آپ جنت میں جائیں گے۔ مگر میں تو آپ کی مفارقت پر روتا ہوں۔ اب ہمارا کون پرسان حال ہوگا۔ اور یتیموں اور بیواؤں کی کون دستگیری کرے گا۔ یہ کہہ کر اصبغ اٹھ کھڑے ہوئے اور حضرتؑ پر نقاہت طاری ہوگئی اور غشی کے دورے پڑنے لگے۔ کبھی ہوش میں آجاتے اور کبھی بے ہوش ہو جاتے۔ امام حسنؑ نے دودھ کا ایک پیالہ پیش کیا۔ آپ نے کچھ پیا اور فرمایا کہ ابن ملجم کو بھی دودھ کا شربت دیا جائے۔ اس عرصہ میں کوفہ کے طبیب جمع ہوگئے۔ ان میں مشہور جراح اور ماہر طبیب اثیر بن عمرو سکونی بھی تھا۔ اس نے زخم کا جائزہ لینے کے بعد کہا کہ اس کاری ضرب سے جانبر ہونے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ زہر آلود تلوار سے مغز سر بھی متاثر ہوا ہے اور جسم میں بھی زہر پھیل چکا ہے۔ یہ سن کر سب کو حضرتؑ کی زندگی سے ناامیدی ہوگئی۔ سینوں میں دل بیٹھنے لگے اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ حضرت نے انیسویں اور بیسویں رات انتہائی کرب و تکلیف میں گزاری اور جب اکیسویں رات کا دو تہائی حصہ گزرا تو حالت دگرگوں ہوگئی پیشانی پر موت کا پسینہ آیا اور کلمہ شہادت پڑھ کر جان، جان آفرین کے سپرد کر دی اور روح طیب عالم قدس کی طرف پرواز کر گئی۔ تقویٰ و راست بازی کا چراغ گل ہوگیا، علم و عمل کا آفتاب گہنا گیا۔ دنیا تیرہ و تار ہوگئی۔ افسوس جس کی زیست کا ہر لمحہ حق کی نصرت اور باطل کے خلاف جہاد میں گزرا ایک شقی ازلی کی تلوار سے مجروح ہو کر دنیا سے چل بسا اور جس کی زندگی کی راتیں محرابِ عبادت میں جاگ کر گزریں لحد کا گوشہ آباد کرنے کے لیے ابدی نیند سو گیا۔

قتل ایک جرم ہے۔ مگر قتل کی نوعیّت، مقتول کی حیثیت اور اس پر مرتب ہونے والے نتائج و اثرات کے اعتبار سے اس کی سنگینی اور سزا کے درجوں میں فرق ہو سکتا ہے۔ ایک عام فرد کا قتل حرام اور بڑا جرم ہے۔ مگر قتل مومن اس سے بھی بڑھ کر جرم ہے۔ جس کی سزا نص قرآن کی رو سے دوزخ کا دائمی عذاب ہے۔ اور امیرالمومنینؑ کا قتل تو ہر اعتبار سے سنگین جرم اور عظیم حادثہ تھا۔ جس نے دینی حدوں کو پامال اور اسلامی قدروں کو مجروح کر دیا۔ اس لحاظ سے قاتل دنیا و آخرت میں شدید ترین عذاب کا مستحق ہوگا۔ یہ ایک عابد شب زندہ دار کا قتل تھا جو محرابِ مسجد میں اور سجدہ کی حالت میں واقع ہوا۔ قاتل نے نہ مسجد کی تقدیس کا خیال کیا، نہ نماز کا احترام ملحوظ رکھا، نہ سجدہ کی حالت پر نظر کی اور اس نمازی کا خون بہایا جو اسلام کا پاسبان، ثانیٔ قرآن اور سراپا ایمان تھا۔

اس سانحہ کا ایک افسوسناک پہلو یہ ہے کہ یہ حادثہ اس وقت رونما ہوا جب حضرت لشکر و سپاہ جمع کر چکے تھے اور دو چار دن کے بعد شام کی طرف کوچ کرنے والے تھے، تاکہ ایک فیصلہ کن جنگ لڑ کر ضلالت کا سرچشمہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیں۔ مگر ایسا نہ ہو سکا اور اس قتل کے نتیجہ میں غیر شرعی اقتدار کے قدم گڑ گئے اور افق اسلام پر ضلالت و گمراہی کی

گھٹائیں چھاگئیں۔ کچھ بعید نہیں ہے کہ اس کی تہ میں کوئی سازش کارفرما ہو۔ اگر ایک باج گزار کے ذریعہ مالک اشتر کو اور جعدہ بنت اشعث کے امام حسنؑ کو زہر دے کر راستے سے ہٹایا جاسکتا ہے تو امیر المومنینؑ کی زندگی ختم کرنے کا منصوبہ بھی بنایا جاسکتا تھا۔ بہر حال یہ اقدام کسی خاص تحریک کا نتیجہ ہو، یا انتقامی جذبہ کا، قاتل کی شقاوت و محسن کشی تاریخ کا ایک مثالیہ ہے۔ اور پیغمبر اکرمؐ نے بھی اپنے ارشادات میں حضرتؑ کے قاتل کو شقی ترین امت اور عاقر ناقہ صالح کے مانند قرار دیا ہے۔ چنانچہ جابر بن سمرہؓ کہتے ہیں:

قال رسول الله لعلی من اشقی الاولین قال عاقر الناقة قال فمن اشقی الآخرین قال الله و رسوله اعلم قال قاتلك

(تاریخ خطیب بغدادی جلد ۱ صفحہ ۱۳۵)

رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؑ سے کہا کہ پہلے لوگوں میں شقی ترین مردم کون ہے، کہا اونٹنی کو پے کرنے والا۔ فرمایا بعد والوں میں زیادہ شقی کون ہے۔ کہا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔ فرمایا: وہ تمہارا قاتل ہے۔

ناقہ صالح حضرت صالحؑ کا معجزہ تھا اور علی بن ابی طالبؑ پیغمبر اسلام کا معجزہ تھے۔

"یکے از معجزاتِ اُو علیؑ بود"

اگر ناقہ صالح کا پے کرنے والا جہنم کا مستحق قرار پاچکا ہے تو حضرت علیؑ کا قاتل دوزخ کے عذاب سے کیونکر بچ سکتا ہے، جبکہ دونوں نے یکساں نبوت کے معجزہ کو ختم کیا اور آیت الٰہیہ کو مٹایا۔ اس کے بعد ابن حزم وغیرہ کی اس رائے کو کوئی وزن نہیں دیا جاسکتا کہ یہ قتل خطائے اجتہادی کا نتیجہ تھا، اور نہ اس طرح جرم کی سنگینی کو ہلکا کر کے قاتل کو اجر و ثواب کا مستحق قرار دیا جاسکتا ہے۔

تجہیز و تکفین

اکیسویں رات کے چند لمحے باقی ہیں، چاند کی پھیکی روشنی فضا میں پھیلی ہوئی ہے، ستارے تھرتھرا رہے ہیں اور کاشانۂ امامت میں خاموشی چھائی ہوئی ہے۔ ایک طرف اعزہ کا مجمع ہے اور ایک جانب اصحاب حسرت واندوہ کی تصویر بنے کھڑے ہیں اور آنسوؤں اور آہوں میں غسل و کفن کا سرو ساماں کیا جارہا ہے۔ امام حسنؑ اور امام حسینؑ علیہما السلام نے غسل دیا، اس طرح کہ امام حسینؑ پانی ڈالتے تھے اور امام حسنؑ غسل دیتے تھے۔ اور ایک روایت کی بنا پر محمد بن حنفیہ پانی ڈالتے تھے اور حسنین علیہما السلام غسل دیتے جاتے تھے۔ غسل کے بعد اس کافور سے جو پیغمبر اکرمؐ کے غسل سے بچ رہا تھا، حنوط کیا گیا۔ غسل و حنوط کے بعد سفید پارچوں کا کفن دیا گیا اور امیر المومنینؑ نے راتوں رات جنازہ اٹھایا اور دفن کے لیے کوفہ کی غربی جانب حیرہ کی طرف چل دیے۔ جب حیرہ کے قریب سرزمین نجف میں پہنچے تو جنازہ زمین پر رکھ دیا، اور امام حسنؑ نے سات تکبیروں یا پانچ تکبیروں کے ساتھ نماز جنازہ باجماعت ادا کی۔ دینوری نے تحریر کیا ہے:

دفن علی رضی الله عنه و صلی علیه الحسن و کبر خمسا

(اخبار الطوال صفحہ ۲۱۶)

علی رضی اللہ عنہ مدفون ہوئے اور حسنؑ نے نماز جنازہ پڑھی اور پانچ تکبیریں کہیں۔

نماز جنازہ کے بعد سفید پہاڑیوں کے درمیان ایک مقام سے مٹی ہٹائی تو قبر اور لحد تیار ملی۔ حسنین علیہما السلام محمد بن حنفیہ اور عبد اللہ بن جعفر قبر میں اترے اور نعش اقدس کو لحد میں اتارا اور لحد کو اینٹوں سے بند کر کے مٹی ڈالی اور قبر زمین

کے برابر کر دی۔

صلی الا لہ علی جسم تضمنہ

قبر فاصبح فیہ العدل مدفونا

نجف کے ریگزار میں نعش اطہر کو خاموشی کے ساتھ سپرد لحد کر دیا گیا اور لوگوں کو دفن کا علم اس وقت ہوا جب حسنین علیہما السلام اور دوسرے اعزہ و اصحاب پلٹ کر کوفہ واپس آئے۔ اب عوام میں سرگوشیاں ہونے لگیں اور قیاس آرائیاں شروع ہو گئیں۔ کسی نے کہا کہ آپ دارالامارہ میں دفن کیے گئے ہیں، کسی نے کہا کہ مسجد کوفہ میں، کسی نے کہا کہ رحبہ کوفہ میں اور کسی نے کہا کہ بغداد کے محلّہ کرخ میں۔ مگر قبر کے محل وقوع کا صحیح علم امیر المومنینؑ کی اولاد اور ان مخصوص اصحاب کے علاوہ جو شریک جنازہ تھے کسی کو نہ تھا۔ قبر کے مخفی رکھنے میں یہ مصلحت کارفرما تھی کہ خوارج اور اموی حکمران اس وحشیانہ طرز عمل کا اعادہ نہ کر سکیں جس کا مظاہرہ اُحد میں شہداء کے اعضاء و جوارح کاٹنے کی صورت میں ہو چکا تھا۔ جب اموی دور ختم ہو گیا اور وقتی طور پر فضاء پرسکون ہوئی تو ابو العباس السفاح کے دور میں امام جعفر صادق علیہ السلام عراق میں تشریف فرما ہوئے اور اپنے اصحاب میں سے ابو بصیر، عبداللہ بن طلحہ، معلٰی بن خنیس، یونس بن ظبیان اور زرارہ وغیرہ کو قبر کے محل وقوع سے مطلع کیا۔ جس کے بعد خواص شیعہ کی آمد و رفت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام اور دوسرے ائمہ اہل بیتؑ کے اتفاق اور فرقۂ امامیہ کے اجماع کے بعد یہ امر روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ امیر المومنینؑ کا مدفن نجفِ اشرف میں ہے جو سلطنت عباسیہ کے اوائل سے لے کر اب تک زیارت گاہِ خاص و عام ہے اور علماء اہلسنّت نے بھی اپنی کتابوں میں واضح طور پر اس کا اعتراف کیا ہے۔ چنانچہ ابن اثیر تحریر کرتے ہیں:

والاصح ان قبرہ هو الموضع الذی یزار و یتبرك به.

(تاریخ کامل جلد ۳ صفحہ ۱۹۹)

صحیح تر قول یہی ہے کہ آپؑ کی قبر وہی ہے جس کی زیارت کی جاتی ہے اور برکت کے حصول کا ذریعہ ہے۔

ابن ابی الحدید نے تحریر کیا ہے کہ ابو الغنائم محمد بن علی متوفی ۵۱۰ھ کہا کرتے تھے کہ:

مات بالكوفة ثلثمائة صحابي ليس قبر احد منهم معروفا الا قبر امیر المومنین و هو هذا القبر الذی یزورہ الناس الآن

(شرح ابن ابی الحدید جلد ۲ صفحہ ۴۵)

کوفہ میں تین سو صحابیوں نے وفات پائی۔ مگر امیر المومنین (علیہ السلام) کی قبر کے علاوہ کسی کی قبر کا پتا نہیں ہے۔ اور حضرتؑ کی قبر وہی ہے جس کی اب لوگ زیارت کرتے ہیں۔

علم امام حسن علیہ السلام

علامہ ذیشان حیدر جوادی

حضرت علیؑ مقام رحبہ میں تھے۔ ایک شخص نے آکر اظہارِ خلوص کیا۔ فرمایا تو میرا دوست نہیں ہے۔ معاویہ کا جاسوس ہے اور اسی سے بادشاہ روم نے چند سوالات کیے ہیں۔ وہ ان کے جوابات سے عاجز تھا تو اس نے تجھے یہاں روانہ کیا ہے اور پھر امام حسن کو جواب دینے کا حکم دیا۔ سوالات یہ تھے: (۱) حق و باطل کا فرق کیا ہے (۲) زمین و آسمان کا فاصلہ کیا ہے (۳) مشرق و مغرب کی مسافت کتنی ہے (۴) خنثیٰ کسے کہتے ہیں اور اس کی شناخت کا ذریعہ کیا ہے (۵) وہ دس اشیاء کون سی ہیں جن میں سے ہر ایک دوسرے سے قوی تر ہے۔

آپ نے بالترتیب فرمایا کہ (۱) حق و باطل کا فاصلہ چار انگشت کے برابر ہے کہ جسے اپنی آنکھ سے دیکھا وہ حق ہے اور جسے صرف سنا وہ ناقابل اعتبار ہے۔ (۲) زمین و آسمان کا فاصلہ بقدر آہ مظلوم ہے کہ اس فاصلہ کو وہی طے کرسکتی ہے اور بس۔ (۳) مشرق و مغرب کا بعد بقدر سیر آفتاب ہے کہ وہ ایک دن میں یہ فاصلہ طے کرلیتا ہے۔ (۴) خنثیٰ اس انسان کو کہتے ہیں جس کے مرد و عورت ہونے کا معاملہ مُشتبہ ہو۔ اس کا پہلا حل یہ ہے کہ جوانی میں اعضاء و جوارح کی ساخت دیکھی جائے۔ وہ بھی غیر واضح ہو تو پھر پیشاب کرنے کا انداز دیکھ کر اس کے مرد یا عورت ہونے کا فیصلہ کرلیا جائے (۵) دس اشیاء میں ایک سخت شے پتھر ہے، جس سے شدید تر وہ لوہا ہے جو اسے توڑ دیتا ہے اور اس سے قوی تر وہ آگ ہے جو اسے پگھلا دیتی ہے اور اس سے قوی پانی ہے جو اسے بجھا دیتا ہے اور اس سے قوی تر وہ بادل ہے جو اسے اٹھائے پھرتا ہے اور اس سے طاقتور وہ ہوا ہے جس کے کاندھوں پہ یہ بادل رہتا ہے اور اس سے قوی تر وہ فرشتہ ہے جو ہوا کو حرکت دیتا ہے اور اس سے قوی تر وہ فرشتہ موت ہے جو اسے بھی موت دے دے گا۔ اور اس سے قوی تر وہ موت ہے جس سے وہ بھی نہ بچ سکے گا۔ اور اس سے قوی تر وہ حکم خدا ہے جو موت پر بھی حکمرانی کرتا ہے۔

امام حسنؑ کے ان جوابات میں عظیم ترین علمی، سیاسی اور اجتماعی نکات پائے جاتے ہیں جن میں آپ نے ہر جواب سے معاویہ کو ایک اہم مسئلہ کی طرف متوجہ کرنا چاہا ہے تاکہ وہ ہدایت یافتہ ہو سکے تو کم سے کم اپنی طرف سے اتمام حجّت کا فریضہ ادا ہو جائے۔ مثال کے طور پر حق و باطل کے فاصلہ میں سماعت اور بصارت کا حوالہ دے کر اس امر کو واضح کرنا چاہا ہے کہ ہمارے پاس جو سیرت رسولؐ ہے وہ ہمارے مشاہدہ کی بنیاد پر ہے اور تیرے پاس جو سیرت ہے وہ صرف سنی سنائی ہے اور سنی سنائی کا اعتبار مشاہدہ کے مقابلہ میں کچھ نہیں ہوتا۔ لہٰذا اصل ہمارا دین اور ہمارا مذہب ہے۔

زمین و آسمان کے فاصلہ میں آہ مظلوم کا حوالہ دے کر اس بات کا اعلان کیا ہے کہ آہ مظلوم ظالموں کے کانوں تک پہنچے یا نہ پہنچے آسمان اور عرشِ خدا تک بہرحال پہنچ جاتی ہے۔

قوی ترین اور شدید ترین اشیاء کی ترتیب و تدریج سے اس امر کا اعلان کیا ہے کہ تیرے اختیار میں صرف لوہا، پتھر، اور آگ یا پانی ہے اور میرے اختیار میں وہ امر خدا ہے جو ہر صاحب امر کے اختیار میں رہتا ہے اور جس سے زیادہ قوی تر کوئی شے نہیں ہے۔ لہٰذا ایسے صاحب اختیار کو مجبور سمجھ کر اس کی طاقت سے مقابلہ کرنا جہالت، سفاہت اور حماقت کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

بادشاہِ روم نے حضرت علیؑ اور معاویہ کے اختلافات کا ذکر سنا تو چاہا کہ دونوں کے نمائندوں کو بلا کر صورتِ حال کا اندازہ کرے۔ چنانچہ اس نے فریقین کے نمائندے طلب کیے۔ معاویہ نے یزید کو بھیجا اور امیر المومنینؑ نے امام حسنؑ کو۔ یزید نے بادشاہِ روم کی دست بوسی کی اور امام حسنؑ نے شکر پروردگار ادا کیا۔ اس نے چند تصویریں نکالیں، جن کا کوئی شناخت کرنے والا نہیں تھا۔ آپؑ نے فرمایا کہ یہ جناب آدمؑ، نوحؑ، ابراہیمؑ، اسماعیلؑ اور جناب شعیبؑ کی تصویریں ہیں۔ ایک تصویر کو دیکھ رو دیے کہ یہ میرے جد بزرگوار کی تصویر ہے۔ جس پر بادشاہِ روم نے عجیب و غریب سوال کیا کہ وہ کون سی مخلوق ہے جو بغیر ماں باپ اور نر و مادہ کے پیدا ہوئی ہے۔ آپؑ نے فرمایا وہ سات مخلوقات ہیں:

① جناب آدمؑ ② جناب حواؑ ③ فدیہ اسماعیلؑ کا دنبہ ④ جناب صالحؑ کا ناقہ ⑤ جناب موسیٰؑ کا اژدہا ⑥ ابلیس ⑦ وہ کوا جس نے قابیل کو دفن کا طریقہ سکھایا تھا۔ جس پر بادشاہِ روم بے حد خوش ہوا اور اس نے آپ کو تحفہ و تحائف کا نذرانہ پیش کیا۔ (تفسیر علی بن ابراہیم قمی)

اخبارِ غم

☆ مولانا سید ظہیر حسین شیرازی کو خداوند عالم تین چار بیٹیوں کے بعد فرزند کی نعمت سے نوازا، پر وہ دارِ دنیا میں قدم رکھنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کو پیارا ہوگیا۔ دعا ہے کہ خدائے رحمٰن و رحیم ان کو مرحوم کا نعم البدل عطا فرمائے اور مرحوم کو ان کی مغفرت کا موجب قرار دے اور ان کو صبر و ضبط کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین بجاہ النبیؐ و آلہ الطاہرینؑ

☆ آہ ملک ممتاز حسین اعوان آف سیالکوٹ

ملک ممتاز حسین اعوان آف سیالکوٹ رضائے الٰہی سے وفات پاگئے ہیں۔ مرحوم بڑی خوبیوں کے مالک تھے اور راسخ العقیدہ مرد مومن علمائے حقہ کے حامی و ناصر تھے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر و اجر سے نوازے۔ آمین

☆ جامعہ علمیہ سلطان المدارس کے تعمیراتی مشیر جناب قاضی غلام حیدر صاحب آف سرگودھا کی بھاوج قاضی غلام علی مرحوم کی بیوہ رضائے الٰہی سے وفات پاگئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو جوارِ سیدہ سلام اللہ علیہا میں جگہ عطا فرمائے اور پسماندگان و لواحقین کو صبر کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

☆ محمد حسن خان آف چک ۹۲ شمالی ضلع سرگودھا کی بھاوج اور محمد اقبال خان کی اہلیہ رضائے الٰہی سے وفات پاگئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کی مغفرت فرمائے۔ اور پسماندگان کو صبر کی توفیق عطا فرمائے۔

☆ مولانا ظفر اقبال آف چک ۹۲ شمالی کی والدہ محترمہ رضائے الٰہی سے وفات پاگئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر و اجر سے نوازے۔ بجاہ النبی و آلہ الطاہرین المعصومین صلوات اللہ علیہم اجمعین

التماسِ دعا

جناب سید ریاض حسین شاہ آف چک نمبر ۱۹ سرگودھا کچھ عرصہ سے بیمار ہیں۔ ان کی صحت یابی کے لیے اہل ایمان سے دعا کی اپیل کی جاتی ہے۔

جناب مولانا نذیر احمد صاحب آف گڑھ قائم فالج کے موذی مرض میں عرصہ سے مبتلا ہیں۔ ان کی صحت کاملہ کے لیے اہل ایمان سے دعا کی استدعا کی جاتی ہے۔

Registered No. (G) H.C/722

فضائل و مناقب

امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام

حضرت علیؑ کے بارے میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرامین

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

۱. اَشْقَی الْاٰخِرِیْنَ الَّذِیْ یَطْعَنُکَ یَا عَلِیُّ (الطبقات الکبریٰ ۳۵۳)
۲. اِنَّ عَلَی الصِّرَاطِ لَعَقَبَۃً لَا یَجُوْزُھَا اَحَدٌ اِلَّا بِجَوَازٍ مِنْ عَلِیٍّ (تاریخ بغداد ۳۵۷)
۳. اَللّٰھُمَّ لَا تُمِتْنِیْ حَتّٰی تُرِیَنِیْ عَلِیًّا (اسد الغابہ ۴ ۲۶ ابن عساکر)
۴. اِنَّ اللّٰہَ اَمَرَنِیْ اَنْ اُزَوِّجَ فَاطِمَۃَ مِنْ عَلِیٍّ (کنز العمال ۱۱ ۲۰۰ و ۲۰۶)
۵. اِنَّ اَوَّلَ اَھْلِ الْجَنَّۃِ دُخُوْلًا اِلَیْھَا عَلِیٌّ (ارجح المطالب ۲۶۱)
۶. اِنَّ اَوَّلَ مَنْ صَلّٰی مَعِیَ عَلِیٌّ (فرائد السمطین ۱ ۲۴۵)
۷. اُوْصِیْ مَنْ اٰمَنَ بِیْ وَصَدَّقَنِیْ بِوِلَایَۃِ عَلِیٍّ (مجمع الزوائد ۹ ۱۰۸)
۸. اَوَّلُ ثُلْمَۃٍ فِی الْاِسْلَامِ مُخَالَفَتُہٗ عَلِیًّا (ینابیع المودۃ ۲۵۷)
۹. اَوَّلُکُمْ وَارِدًا عَلَی الْحَوْضِ اَوَّلُکُمْ اِسْلَامًا عَلِیٌّ (المستدرک للحاکم ۳ ۱۳۲)
۱۰. زَیِّنُوْا مَجَالِسَکُمْ بِذِکْرِ عَلِیٍّ (المناقب لابن المغازلی ۲۱۱)
۱۱. سُدُّوا اَبْوَابَ الْمَسْجِدِ کُلَّھَا اِلَّا بَابَ عَلِیٍّ (فرائد السمطین ۱ ۲۰۸)
۱۲. عُنْوَانُ صَحِیْفَۃِ الْمُؤْمِنِ حُبُّ عَلِیٍّ (کنز العمال ۱۱ ۲۰۱)
۱۳. لَا سَیْفَ اِلَّا ذُوالْفَقَارِ وَلَا فَتٰی اِلَّا عَلِیٌّ (التاریخ للطبری ۲ ۱۷ ۹۰)
۱۴. یَا اَیُّھَا النَّاسُ اُوْصِیْکُمْ بِحُبِّ ذِیْ قُرْبِیْھَا اَخِیْ وَابْنِ عَمِّیْ عَلِیٍّ (ابن عساکر ۲ ۲۰۷)
۱۵. لَا تَقْضِیْ دَیْنِیْ غَیْرِیْ اَوْ عَلِیٌّ (کنز العمال ۱۱ ۲۱۲)
۱۶. لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ اِلَّا مَنْ جَآءَ بِجَوَازٍ مِنْ عَلِیٍّ (المناقب لابن المغازلی ۱۱۹)
۱۷. لِکُلِّ نَبِیٍّ خَلِیْلٌ وَاِنَّ خَلِیْلِیْ وَاَخِیْ عَلِیٌّ (کنز العمال ۱۱ ۲۳۴)
۱۸. اَعْلَمُ اُمَّتِیْ مِنْ بَعْدِیْ عَلِیٌّ (کنز العمال ۱۱ ۲۱۴)
۱۹. لَا یُبَلِّغُ عَنِّیْ اِلَّا اَنَا اَوْ عَلِیٌّ (تاریخ اصفہان لابی نعیم ۱ ۲۵۳)
۲۰. لِکُلِّ نَبِیٍّ صَاحِبُ سِرٍّ وَصَاحِبُ سِرِّیْ عَلِیٌّ (ینابیع المودۃ ۲۳۵)
۲۱. مَنْ سَرَّہٗ اَنْ یَنْظُرَ اِلٰی سَیِّدِ شَبَابِ الْعَرَبِ فَلْیَنْظُرْ اِلٰی عَلِیٍّ (المناقب لابن المغازلی ۳ ۲۵۳)
۲۲. لِکُلِّ نَبِیٍّ وَصِیٌّ وَوَارِثٌ وَاِنَّ وَصِیِّیْ وَوَارِثِیْ عَلِیٌّ ()
۲۳. مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَاِنَّ مَوْلَاہُ عَلِیٌّ (المستدرک للحاکم ۳ ۱۳۲)
۲۴. یَفْتَخِرُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اٰدَمُ بِابْنِہٖ شِیْثَ وَاَفْتَخِرُ اَنَا بِعَلِیٍّ (فرائد السمطین ۱ ۲۳۲)
۲۵. اِنَّ اللّٰہَ جَعَلَ ذُرِّیَّۃَ مُحَمَّدٍ مِنْ صُلْبِ عَلِیٍّ (المناقب لابن المغازلی ۴۹)
۲۶. عَلِیٌّ اَخِیْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ (کنز العمال ۱۱ ۶۰۲)
۲۷. عَلِیٌّ اَعْلَمُ النَّاسِ بِاللّٰہِ (کنز العمال ۱۱ ۶۱۴)
۲۸. عَلِیٌّ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَسَیِّدُ الْمُسْلِمِیْنَ (کفایۃ الطالب ۱۲۸)
۲۹. عَلِیٌّ اَوَّلُ مَنْ اٰمَنَ بِیْ وَصَدَّقَنِیْ (ابن عساکر ۱ ۲۳)
۳۰. عَلِیٌّ بَابُ حِطَّۃٍ مَنْ دَخَلَ مِنْہُ کَانَ مُؤْمِنًا (کنز العمال ۱۱ ۲۰۳)
۳۱. عَلِیٌّ طَاعَتُہٗ طَاعَتِیْ وَمَعْصِیَتُہٗ مَعْصِیَتِیْ (فرائد السمطین ۱ ۱۷۹)
۳۲. عَلِیٌّ رَایَۃُ الْھُدٰی وَمَنَارُ الْاِیْمَانِ (تاریخ بغداد ۱۴ ۹۹)
۳۳. عَلِیٌّ بَابُ عِلْمِیْ وَمُبَیِّنٌ لِاُمَّتِیْ مَا اُرْسِلْتُ بِہٖ مِنْ بَعْدِیْ (کنز العمال ۱۱ ۲۱۳)
۳۴. عَلِیٌّ قَسِیْمُ النَّارِ وَالْجَنَّۃِ (ینابیع المودۃ ۱۸۰)
۳۵. عَلِیٌّ مَعَ الْحَقِّ وَالْحَقُّ مَعَ عَلِیٍّ (تاریخ المودۃ ۱۴ ۳۲۱)
۳۶. عَلِیٌّ مَعَ الْقُرْاٰنِ وَالْقُرْاٰنُ مَعَ عَلِیٍّ (المستدرک للحاکم ۳ ۱۲۴)
۳۷. عَلِیٌّ مُلِئَ اِیْمَانًا اِلٰی مُشَاشِہٖ (کنوز الحقائق ۹۸)
۳۸. عَلِیٌّ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ رَاْسِیْ مِنْ بَدَنِیْ (تاریخ بغداد ۱۲۷)
۳۹. عَلِیٌّ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ ھَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی (کنز العمال ۱۱ ۲۰۳)
۴۰. عَلِیٌّ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْ عَلِیٍّ (مسند احمد ۴ ۱۶۴)
۴۱. عَلِیٌّ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْہُ وَھُوَ وَلِیُّ کُلِّ مُؤْمِنٍ بَعْدِیْ (ابن عساکر ۱ ۳۷۹)
۴۲. عَلِیٌّ مَوْلٰی مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ (ابن عساکر ۱ ۳۶۲)
۴۳. عَلِیٌّ یَقْضِیْ دَیْنِیْ وَیُنْجِزُ مَوْعِدِیْ (فرائد السمطین ۱ ۲۰)
۴۴. عَلِیٌّ ھُوَ نَفْسِیْ وَاَنَا نَفْسُہٗ (المناقب للخوارزمی ۹۰)
۴۵. عَلِیٌّ وَشِیْعَتُہٗ ھُمُ الْفَآئِزُوْنَ (ینابیع المودۃ ۱۷ ۲۳)
۴۶. عَلِیٌّ اِمَامُ الْبَرَرَۃِ وَقَاتِلُ الْفَجَرَۃِ (کنز العمال ۱۱ ۶۰۲)
۴۷. عَلِیٌّ خَیْرُ الْبَشَرِ فَمَنْ اَبٰی فَقَدْ کَفَرَ (کنز العمال ۵)
۴۸. عَلِیٌّ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِنْ رَبِّہٖ وَاَنَا الشَّاھِدُ مِنْہُ (کفایۃ الطالب ۲۳۵)
۴۹. عَلِیٌّ یَزْھَرُ لِاَھْلِ الْجَنَّۃِ کَکَوْکَبِ الصُّبْحِ لِاَھْلِ الدُّنْیَا (کنز العمال ۱۱ ۲۰۴)
۵۰. عَلِیٌّ یَعْسُوْبُ الْمُؤْمِنِیْنَ (ابن عساکر ۲ ۶۰۲)

صَدَقَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ